إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

اِسلام

یا

مذہبِ محبّت

یعنی

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ جو فضلائے مسیحیّت (انگلستان) کے جلسہ منعقدہ اکسفورڈ ۱۹۲۲ء کے قرارداد کے جواب میں لکھا گیا جس میں یہ کہا گیا۔ کہ خدا کا مذہب در اصل **مذہب محبّت** ہے اور وہ عیسائیت ہے اسلام نہیں

از

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلّغ اِسلام

ایڈیٹر اسلامک ریویو (ووکنگ لندن) و رسالہ اشاعت اسلام لاہور

جس کو

مُسلم بُک سوسائٹی۔ عزیز منزل۔ لاہور (پنجاب)

نے

کریمی پریس لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ چھپوا کر دسمبر ۱۹۲۳ء میں عزیز منزل سے شائع کیا

بار اول — تعداد طبع ایکہزار — قیمت بلا جلد ۷ر / مجلد ۱۲ر

ینابیع المسیحیت

مدت ہوئی عیسائیوں نے ایک کتاب موسوم بہ ینابیع الاسلام عربی زبان میں شائع کی تھی جسکا ترجمہ اُردو زبان میں اثمار شیریں کے نام سے چھاپا گیا۔ عیسائی کیمپ میں یہ کتاب اسلام کے خلاف کاری حربہ سمجھی گئی۔ غالباً دوسری زبانوں میں بھی اسکے ترجمے کئے گئے۔ اور ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ان کو تقسیم کیا گیا۔ اسمیں باتیں تو وہی تھیں۔ جو پادری عماد الدین وغیرہ نے لکھیں بعض قصص انبیاء مندرجہ قرآن مجید کی بناء پر انجیل و توریت وغیرہ کو قرآن مجید کا ماخذ ٹھیرایا۔ بعض باتوں کو کسی ثبوت کے بغیر ژندوستا کیطرف منسوب کیا گیا۔ بہرحال یہ قرضہ ہمارے ذمہ تھا۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے مذکورہ بالا نام پر ایک کتاب اپنے ایام حج میں بیت اللہ شریف میں بیٹھ کر لکھی۔ یہ کتاب اپنی نوعیت میں بالکل نئی ہے۔ اسمیں نہ صرف یہی دکھایا گیا ہے کہ مروجہ اصول و حکایات مسیحیت کو جناب مسیح سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مسیحی دین کی ہر ایک بات سورج پرستی اور مسیح سے قبل کی بُت پرستی سے لیگئی ہے۔ اس کتاب کا ہر صفحہ نئے سے نئے انکشافات اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کتاب کے اکثر مضامین کسی زبان کی کسی کتاب میں بحیثیت مجموعی نہیں پائے جاتے منکشف شدہ واقعات نہایت ہی حیرت افزا اور سنسنی خیز ہیں۔ اس کتاب میں وہ باتیں ہیں جن سے کروڑہا عیسائی محض بیخبر ہیں۔ اور جس کے پڑھنے سے وہ اپنے مسلمات پر کسی طرح قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک کتاب صدہا کتابوں کی قائممقام ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی خواہش ہے کہ یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو اس کتاب کی آمد کُل کی کُل اسی کتاب کی مفت اشاعت پر خرچ ہو گی۔ احباب سے توقع ہے کہ اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔ یہ کتاب بالکل تیار ہے قسم اول بلا جلد قیمت عہ۔ قسم دوم بلا جلد عہ۔ احباب اس کتاب کو عیسائی حلقہ میں کثرت سے مفت تقسیم فرما کر داخل حسنات ہوں۔

ضروری نوٹ:۔ کتاب اسلام یا مذہب محبت کو بھی اسی کتاب ینابیع المسیحیت میں سے لیا گیا ہے +

درخواستیں بنام منیجر مسلم بُک سوسائٹی۔ عزیز منزل لاہور آنی چاہئیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسلام

یا

مذہب محبّت

آج مسیحی دُنیا عیسوی کلیسیا کے تجویز دادہ مذہب سے بیزار ہو کر اُس کی تعلیمات کو چھوڑ رہی ہے۔ لیکن اسکی جگہ قدیمی مذہب کے نام تلے کسی ایسے مذہب کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔ جس کا نام وہ **مذہب محبّت** رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں جناب مسیحؑ اس مذہب کو لائے۔ لیکن آپ کے پیرووں نے اُس مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب بنا لیا۔ اب یہ محقّق اس مصنوعی مذہب کو چھوڑ کر مسیحؑ کے اصلی مذہب یعنی **مذہب محبّت** کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ کیا وہ خدا جس نے مسیحؑ کے ذریعہ **مذہب محبّت** کی تعلیم کی۔ وہ اُس مذہب کے بگڑنے پر کس طرح دو ہزار برس تک خاموش رہ سکتا تھا۔ حق الامر یہی ہے۔ کہ اس ربُّ العٰلمین نے عین وقت پر وہی **مذہب محبّت** اسلام کی شکل میں بھیج دیا +

اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے میں اولاً مذہب اور اسکے مقصد پر چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں۔ مذہب کی حقیقت و غائت کے نہ سمجھنے نے دُنیائے مذہب میں مختلف مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اسی سے طرح طرح کے غلط عقائد اور ان سے غلط اصُول تمدّن و تہذیب پیدا ہو گئے۔ قرآن نے جس مذہب کا نام اسلام رکھا ہے۔ وہ ان قوانین الٰہیّہ کی اطاعت ہے۔ جن سے اِنسان کے ودیعت شُدہ اور مُضمرہ قوےٰ چمک کر بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔

از رُوئے تعلیم قرآنی محض سجدہ ورکوع کرنا - چند فقروں کا زبان پر لانا چند باتوں کو مان لینا مذہب نہیں - یہ باتیں اجزائے مذہب تو ہیں مگر عین مذہب نہیں - مذہب تو زندگی کا وہ صحیح نظریہ ہے - کہ جس کو عمل میں لانے سے انسان وہ چیز بنجاتا ہے - جس کے لئے کہ وہ بنایا گیا +

کائنات میں ایک چیز بھی تو ایسی نہیں جسمیں گوناگوں استعدادیں مخفی نہوں اُنکے پنپنے کے لئے خاص خاص لاتبدیل قواعد مقرر ہیں - جن سے تمسک کر کے ہر ایک چیز اپنی مخفی استعدادوں کو ظہور میں لے آتی ہے - انہی لاتبدیل قوانین آلہیہ پر چلنے کا نام **اسلام** ہے کسی درخت کا تخم لیکر دیکھ لو - اگر کوزے میں دریا بند ہوسکتا ہے - تو پھر یہی تخم ہے - ایک رتّی بھر چیز - اور اسمیں ایک بڑا تناور درخت شاخیں - پتّے پھل پھول - رائحہ - ذائقہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے قدرت نے اس تخم کو درخت بنانے کیلئے چند قوانین وضع فرمائے ہیں جسوقت ان کی اطاعت ہوئی - وہ تخم درخت ہوگیا - کائنات کی ہر ایک چیز کا یہی حال ہے - ان سب کا ایک ہی مذہب ہے - یعنی اپنے متعلقہ قوانین پر چل کر اپنے کمال پر پہنچ جانا - اسی کا نام لفظاً اور معناً **اسلام** ہے - انسان کے اندر لاانتہا استعدادوں کا خزانہ ہے - اس کا جسم اُسکے جذبات - ادراک تعقل ارادہ تصوّر وغیرہ - پھر ان کے صحیح استعمال سے اس میں قوت صنعت و ایجاد تصنیف و تالیف - مختلف علوم و فنون - پھر جذبات کا صحیح شکل میں عمدہ اخلاق میں آجانا اخلاق فاضلہ روحانیات وغیرہ - غرض یہ سب کچھ انسان کے اندر ہیں کسی ہے کسی کا اور کسی میں کسی کا ظہور ہوتا ہے - لیکن ان میں سے ہر ایک چیز کے ظہور کا ایک ہی بہترین صحیح و لاتبدیل طریق ہوتا ہے - جس پر چلنے کا نام اسلام ہے - خواہ وہ جسمانیات سے تعلق رکھے یا روحانیات سے +

ایک جسم انسانی کی صحیح پرورش کے لئے ہمیں کائنات کی ہر ایک چیز سے تمسک کرنا پڑتا ہے۔ جن کے متعلق پھر الگ الگ قوانین ہیں۔ یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہے۔ وہ انہی قوانین کی خلاف ورزی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہذا عالم جسمانیات کے قوانین کا دریافت کرنا اور اُن پر چلنے کا نام بھی جہاں تک جسمانیات کا تعلق ہے **اسلام** ہی ہے۔ اس لئے سائنس کی مختلف شاخوں میں جس قدر تحقیق سے نئے علوم پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو وہ سب کے سب **اسلام** ہی کے علوم ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا خود قرآن مجید کہتا ہے۔ **ولہ اسلم من فی السموات والارض**۔ ہر ایک چیز جو زمین اور آسمان میں ہے۔ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے آگے سر جھکاتی ہے۔ اس کی بقا اُس کے خواص کا ظہور۔ ان قوانین کی پیروی پر منحصر ہے۔ انہی قوانین کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس کیا ہے؟ دراصل اس ارادہ الہیہ کا علم حاصل کرنا ہے جو کائنات کی کسی چیز کے خلق۔ اُس کے خواص۔ اور اُن خواص کے طریق ظہور کے متعلق ہو۔ اسی وجہ سے میں نے اسے بھی علوم اسلام کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔

ہماری تحقیقات جسمانیات میں بھی جو تجربہ اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے غلطی سے خالی نہیں ہوتی۔ پھر ذہنیات۔ اخلاق اور روحانیات تو کل کی کل نظریات ہیں۔ ان میں تو قدم قدم پر غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے مصلحت ربی نے ان آخر الذکر علوم کو بذریعہ

وحی انسان پر القا کیا۔ لہٰذا ان القا شدہ باتوں کی حقیقت سمجھنا اور اُن پر چلنا ، مخصوص معنی میں **مذہب اسلام** کہلاتا ہے۔

ان باتوں سے ظاہر ہو گیا ہو گا۔ کہ مقصدِ مذہب از روئے تعلیم قرآن مخفی قوے کا ظہور اور ان کا کمال پر پہنچانا ہے۔ پھر جب ہر ایک چیز اپنے کمال پر پہنچنے کے لئے صدہا قوانین کی پیروی کی محتاج ہے۔ تو انسان جو ایک قسم کا عالم صغیر ہے۔ اور کائنات کی کل قوتیں استعداداً اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ بغیر کسی قانون اور اطاعت قانون کے کس طرح اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے؟ کسی بزرگ کے چند اخلاقی فقرے۔ چند دعائیں۔ اُسکے منہ سے نکلی ہوئی چند لعنتیں یا چند معجزات مذہب حقہ کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح چند امور پر خواہ وہ صداقتہائی کیوں نہ ہوں ایمان لانا اور انپر عمل پیرا نہ ہونا کسی نتیجہ کو پیدا نہیں کر سکتا اگر اس بات پر ایمان لانے سے کہ فلاں خزانہ میں اسقدر زر و مال ہے۔ کوئی شخص دولتمند نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے قویٰ کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے۔ تو پھر خون مسیحؑ یا کسی ایسی بات پر صرف ایمان رکھ لینے سے فطرت انسانی کے مخفی جوہر نشو و نما نہیں پا سکتے۔ یہ نظریہ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ خود عشاء ربانی کے مسئلہ کو دیکھا جائے۔ اس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ جس وقت ایک پرستار صدق دل اور صحیح اعتقاد سے شراب کا ایک قطرہ اور روٹی کا ایک ٹکڑا جسے باپ بیٹے کے نام پر تقدیس دی گئی ہے۔ حلق سے اتارتا ہے

تو مسیح ہیں اور اُس میں ایک قسم کی وحدت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ اس رسم کا نام ہولی کمیونین
(مقدس اتحاد بالذات) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس روحانی اتحاد کے متعلق
عقیدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی فطرت گناہ مر جاتی اور اُس کو راستباز انسان بنا دیتی
ہے۔ بات تو واقعی اعجاز کی ہے۔ اور عیسائی عقیدہ بھی یہی ہے۔ کہ یہ ہولی کمیونین کی رسم جو
خون مسیح کی یاد میں ہر اتوار کو گرجوں میں منائی جاتی ہے۔ اعجازاً فطرت میں تبدیلی پیدا کر دیتی
ہے لیکن نہایت مایوسی اور افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس اعجاز کا گذشتہ دو ہزار سال میں
کوئی عملی ثبوت نہیں ہوا۔ اس قسم کے عقیدوں سے کونسا کفر و الحاد کا مذہب خالی ہے؟ اول
تو یہی عشائے ربانی کی رسم مسیح سے ہزاروں برس پہلے من وعن اسی طریق پر۔ اسی شکل
میں متھرا کے خون کی یاد میں منائی جاتی تھی۔ جیسا کہ لکھ آیا ہوں۔ پھر ہندوستان میں بُت
پرستی کا کونسا مندر ہے جہاں دیوتا کو اشیائے خوردنی سے بھوگ نہیں لگایا جاتا۔ اور
پھر بھوگ کی اسی طرح تقدیس و تکریم کی جاتی ہے جیسے عشائے ربانی میں شراب و روٹی کی
پھر بھوگ کا لقمہ جس کے حلق سے اُتر جائے۔ اُس میں اور اُس دیوتا میں وحدت ذاتی تسلیم
کی جاتی ہے۔

الغرض ان باتوں کی حقیقت ایک داستان سے زیادہ نہیں۔ انسان کا صحیح مذہب وہی
ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا ہے۔ جس طرح کسی درخت کے تخم میں ہزارہا ان گنت جوہر مضمر

ہوتے ہیں۔ اسی طرح بے تعداد استعداد یں نطفہ انسانی میں پنہاں ہیں۔ اگر ایک تخم مقررہ قوانین اور راہوں پر چلنے ہی سے ایک باثمر درخت بن جاتا ہے۔ تو انسانی جوہر بھی صحیح قوانین الہیہ پر چلنے سے ہی بارور ہوتے ہیں۔ اگر یہ طریق غلط ہے اور صحیح طریق وہی ہے جو مسیحیت تجویز کرتی ہے یعنی یہ کہ صرف ایمان لانے سے ہی انسان نیکو کار ہو جاتا ہے۔ تو جناب مسیح کی تعلیم کو تو **مذہب محبت** کی تعلیم کہا جاتا ہے۔ پھر میں اس **محبت** کو عیسوی ممالک کے کس گوشہ میں تلاش کروں؟ جب تک پہلی تین صدیوں میں عیسائی مذہب۔ فقرا۔ غربا۔ خدام اور غلاموں کی جماعت تک محدود رہا۔ عیسائیوں میں ایک حد تک شفقت محبت اور رواداری کے آثار تھے لیکن یہ تو ضرورت وقت یا مرتا کیا نہ کرتا کا مصداق کہا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے

تواضع زگردن فرازاں نکوست	گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

پہلے تین صدیوں کے عیسائی مسلّماً گدا اور درویشوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ سوال تو یہ ہے کہ جب شاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کر کے آنیوالی مسیحی نسلوں کو **گردن فراز** بنا دیا۔ تو پھر وہ محبت وانکسار وشفقت کہاں گئی؟ میں ان صفحات کو اس قتل وغارت کی داستان سے خون آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ جو عیسائیوں کی عیسائیوں کے ہاتھ سے ہوئی۔ ایک خون کا دریا تھا جو یورپ میں مذہب کے نام پر آج سے ایک صدی پہلے بہتا رہا۔ اور یہ

قاتل و مقتول سب کے سب عیسائی ہی تھے۔ پھر ظلم و سفاکی کے آلات اور مشینیں جو اس مذہب **محبت** کے معلموں کے دماغ نے تجویز کیں۔ اُن کا ذکر تو درکنار اُنکا تصور تک رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اس تاریخی حقیقت کو ایک فقرہ میں ادا کر دیتا ہوں۔ کہ عیسائیت کے نام پر جس قدر ظلم۔ خونریزی۔ سفاکی۔ درندگی وغیرہ عیسائیوں نے عیسائیوں کے ساتھ برتی۔ اس کا عشر عشیر بھی مذہب چھوڑ دنیوی معاملات میں کسی قوم نے کسی قوم کے ساتھ مسلسل طور پر نہیں کیا۔ تاتاری سفاکیاں آندھی کی طرح آئیں اور چلی گئیں۔ آج خود عیسائی اُن ایام کا نام **ایام تاریکی** رکھتے ہیں۔ آج بھی مذہب کے نام پر تو نہیں پولٹیکل اور قومی جنگ یورپ میں ہوئے۔ کیا وہ اسی **مذہب محبت** کے مختلف پرستاروں میں نہیں ہوئے۔ **تا بدیگراں چہ رسد**

میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ جناب مسیحؑ **مذہب محبت** کو ہی دنیا میں لائے اور میرے نزدیک تو ہر مذہب حقہ کا موضوع یہی ہے لیکن گذشتہ سولہ سو ۱۶۰۰ برس کا تجربہ اور عمل یہ قطعاً ثابت کرتا ہے۔ کہ جناب مسیحؑ کے وعظ و خطبات اپنے مقصد کے پورا کرنے میں یقیناً ناکام رہے۔ اُن کی باتیں تو دل لبھانیوالی ہیں۔ لیکن وہ عمل میں نہیں لائی جاسکتیں کسی معلم کے تعلیم کردہ اصول خواہ کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ معلم خود اُن اصول کو عملاً قائم کرنے کے طریق نہ بتلائے۔ اور آنے والی نسلوں پر ہی ان طریقوں کی دریافت

چھوڑ جائے تو پھر ناکامی ہی ناکامی ہے۔ عیسائیت یا کلیسا مسلماً ناکام ثابت ہوئی۔ اس پر آج انہوں نے شہادت دی ہے۔ جو مغرب میں آسمان عیسائیت کے روشن ستارے ہیں اس ساری ناکامی کا باعث اگر ایک سطر میں واضح طور پر بیان ہو سکتا ہے تو میں نے یہاں بیان کر دیا۔ بالمقابل اسلام اور اس کی اخوت کو دیکھو۔ اس کے عالمگیر ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اَور تو اَور خود یورپ کے ارباب حل وعقد اس سے حیران ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آتی کہ اگر فرانسیسی عیسائی ایک جرمن عیسائی کے خون کا آٹھوں پہر پیاسا رہتا ہے۔ تو ایک ہندی مسلمان کے جذبات محبت پر ہزاروں کوس کا بُعد اور قومی غیرت کیوں اثر انداز نہیں وہ کیوں ایک دوسرے کے جاندادہ ہیں؟ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نہ صرف کسی امر کی ضرورت ہی بیان کر دی یا اُس پر زور ہی دیا۔ بلکہ اس امر کی تحلیل وتفرید کی۔ اُسکے اصول قائم کئے۔ ان اصول کو وجود میں لانے کے اسباب بتلائے۔ پھر اُن اسباب سے متمسک ہونے کے طریق تبلائے۔ ان طریقوں پر چلنے کا نام راستبازی اور تقویٰ رکھا۔ پھر اس امر مطلوبہ کے خلاف جن جن باتوں کا امکان تک بھی تھا۔ ان کا سد باب فرمایا اور ہر ایک بات میں انسانی فطرت کے جذبات۔ اس کے تقاضے۔ اُس کے میلان کو سامنے رکھا۔ خداداد جذبات کو ہلاک کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ان جذبات کے لئے ایسے خوبصورت اور موزون سلپنچے تجویز فرمائے۔ کہ جن میں جذبات کی رو سے روی شکل اور ان کا سفلی

سے سفلی جوہر بھی ڈھل کر اخلاق فاضلہ کی شکل اختیار کرلے ۔ انسان کے جذبات اپنی ابتدائی اور بہیمی شکل میں مختلف دھاتوں کی اس شکل کی طرح ہوتے ہیں جنہیں ہم فلزات کہتے ہیں۔ یہ سونا ۔ چاندی ۔ لوہا جو دھاتوں کے بادشاہ ہیں ۔ اپنی ابتدائی صورت میں کنکر اور پتھر ہی ہوتے ہیں ۔ کسی سونے کی کان کو جاکر دیکھ لو ۔ سونے کے کنکر بیسیوں مشینوں سے نکل کر طلاء خالص بن جاتے ہیں ۔ جس طرح یہ کنکر اور پتھر زمین کی انتڑیوں میں ہوتے ہیں ۔ اسی طرح بہیمی جذبات کا مولد انسان کا معدہ اور اس کی آنتیں ہیں ۔ اب اگر انجیل کی دی ہوئی مسیحی تعلیم میں جسمانیات کی طرح امورذہنیات و اخلاقیات کیلئے ان مشینوں اور آلات کا ذکر موجود ہے ۔ تو جناب مسیح **مذہب محبّت** کی تکمیل کر گئے ۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں جیسا کہ خود آج مسیحی فضلائے نے تسلیم کر لیا ہے جس پر اُن کا عمل شاہد ہے ۔ کیونکہ وہ اب ان مشینوں کی ساخت کی فکر میں لگے ہیں ۔ تو پھر انسان کے بنانے سے تو مذہب نہیں بنتا ۔

مذہب محبّت کے اصول تو وہی مدون کر سکتا ہے جو فطرت انسانی سے کما حقہٗ واقف ہو علم النفس و القوےٰ کی باریکیوں سے واقف ہو ۔ وہ لوگ اس حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں ۔ جو روح کو اخلاق اور اخلاق کو جذبات بہیمیہ سے اس قدر الگ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق ہی نہیں ۔ پھر جسم کو اور اک سے بالکل جدا گانہ سمجھتے ہیں حتیٰ کہ بعض کے نزدیک **جوہر حیات** بھی جسم سے ایک الگ تھلگ چیز ہے ۔ وہ

خیال کرتے ہیں ۔کہ یہ جوہر کسی اَور ستارے سے اُتر کر جسم میں آملتا ہے ۔بالمقابل مذہب حقہ یہی ہے کہ جس طرح جوہر اصلی ذرات اثیری سے چل کر مختلف شکلیں اور ہیولے اختیار کرتا ہوا اپنے قوائے مضمرہ کو ظاہر کرتا آتا ہے ۔وہی جوہر اصلی عالم حیوانات میں انسانی جسم اختیار کرکے منزل اول پر بہیمی جذبات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔یہی بہیمی جذبات تعدیل و تادیب میں آکر اوّلاً اخلاق عامہ پھر اخلاقِ فاضلہ اور اس کے بعد روحانیات ہوجاتے ہیں ۔جس طرح کہ ایک تخم ۔کونپل ۔تنہ ۔شاخیں ۔پتے ۔پھول پھل بن کر سب حالتوں کو بھی قائم رکھتا ہے ۔اور اس کی ہر منزل کی صورت ایک دوسرے کی ممد و معاون ہوتی ہے ۔اور پھل کی پختگی اور اُس کی خوبی کا حصر ان سب چیزوں کے قیام اور تر و تازگی پر ہوتا ہے ۔اسی طرح روح کا ایک کامل جوہر اُسی وقت آکھلتا ہے جب جسم ۔جذبات ۔اخلاق عامہ و فاضلہ سب کے سب قائم رہیں ۔اور سب کی حدود مناسبہ میں آبیاری ہو جس طرح کونپل سے لیکر پھل تک مختلف شکلیں ایک ہی بیج کی ہوتی ہیں ۔اسی طرح یہ کل کے کل امور متذکرہ نفس انسانی کی ہی صورتیں ہیں ۔جو در اصل جسم میں سے نکلتا ہے نفس ہی حقیقی اصلاح پاکر مختلف ہیولی بدلتا ہوا روح ہوجاتا ہے ۔قرآن شریف کی آیت وَالنَّفْسِ وَمَا سَوّٰهَا (نفس جب تعدیل و تہذیب پاجائے) اسی طرف اشارہ کرتی ہے ۔

مجھے یہاں ان دو نظریوں میں سے کسی ایک کی صحت پر بحث منظور نہیں ۔یہ میرے

مضمون سے کسی قدر دُور ہے۔ اگرچہ موجودہ مغربی فضلا کا خیال ان گذشتہ پچاس سالوں میں قرآن کریم کے نظریہ کی طرف آرہا ہے۔ یہ لوگ اب **جوہر حیات**۔ اور راک۔ روح کو کسی اور دنیا سے آیا ہوا نہیں سمجھتے۔ بلکہ جسم کو ہی اُن کی ماں اور مولد قرار دیتے ہیں۔ مجھے یہاں صرف اسی قدر دکھانا ہے۔ کہ ان دو نظریوں کے ماتحت کسی اخلاق کے سدھارنے یا پیدا کرنے کے راستے کس قدر ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہو جائینگے۔ جو شخص معانی بالا میں روح اور جسم کو یا جذبات بہیمہ کو اخلاق فاضلہ سے قطعاً الگ سمجھتا ہے۔ وہ ایک چیز کی پرورش یا حیات دوسرے کی موت و ہلاکت میں دیکھتا ہے۔ وہ راہبانہ نفس کشیاں جو ہندو۔ بدھ اور عیسائی مذہب کی ابتدائی صدیوں میں پائی جاتی تھیں۔ اور ہر طرح بیسود ثابت ہوئیں وہ اسی نظریہ کا نتیجہ تھیں۔ ان کے نزدیک جذبات بہیمیہ یا جسم کو مارنا ہی روح کے لئے ضروری ہے۔ اسلام نے ان سے الگ راہ اختیار کی۔ اسلام کسی جذبہ کی ہلاکت کی سفارش نہیں کرتا۔ اور نہ جسم کو مارتا ہے۔ اسلام کل کے کل جذبات کو مقام اعتدال پر لے آتا ہے۔ جس چیز کا نام محبت خدا اور محبت خلق اللہ ہے۔ جو ہر قسم کی نفسانی ملونیوں سے پاک ہو کر اُس مقام اعلیٰ پر پہنچ جاتی ہے جس کا امتیازی نشان ایثار کا کمال اور بے نفسی کا معراج ہے۔ وہ اپنی ابتدائی شکل میں وہی جذبہ ردیہ ہے جس کا نام شہوت حیوانی ہے۔ بالمقابل وہ درندوں کا جذبہ جسے غیظ و غضب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہی حکمت و عقل کی حکومت

کے ماتحت شجاعت۔ سیاست صحیحہ۔ غیرت وغیرہ بنجاتا ہے جس چیز کا نام دیوثی۔ بے عزتی۔ ریا طمع۔ رعایت۔ ناجائز۔ جنبہ داری ہے۔ وہ محبت ہی کی بدنما شکلیں ہیں بے رحمی سفاکی غصہ ہی کی قبیح صورت کا نام ہے۔ پھر محبت اور غضب غیر معتدل طریق پر مل کر اگر انسان میں تعصب۔ حسد۔ نکتہ چینی۔ استہزا پیدا کر دیتے ہیں۔ تو یہی غضب و محبت صحیح طریق پر امتزاج پاکر ہم میں استقامت۔ حمایت جائز۔ عدل۔ نصفت شعاری کا موجب ہو جاتے ہیں میں نے تمثیلاً یہ چند باتیں لکھ دی ہیں۔ والا انسان کے کل کے کل اخلاق اور اس کی کل کی کل کج خلقیاں انہی دو جذبات محبت و غضب کی دو شاخیں ہیں۔ وہ مذہب حقیقت محبت کیا سمجھ سکتا ہے۔ جو غضب کو ایک مکروہ چیز سمجھ کر اس عطیہ ربی کی فکر ہلاکت میں لگ جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ غصہ اپنے صحیح استعمال میں دراصل درشت شکل میں محبت ہی ہے۔ قوم اور ملک کی محبت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ہم اُن کی حفاظت کے لئے اُن لوگوں کو سزا دیں۔ جو ملکی قومی حفاظت کے مخل ہوں۔ عدالت کا کمرہ اگر مفاد قومی کی محبت و حفاظت نے بنایا ہے۔ تو اغراض عدالت کا نفاذ غصہ کی اُس شکل میں ہوتا ہے جسے اصطلاحاً جرمانہ۔ تازیانہ جیل۔ پھانسی کہتے ہیں۔ ظالموں کے خلاف جنگ ، محبت اور غضب کے صحیح استعمال کا نام ہے۔

آج سائنس کے انکشافات نے کل پرانی تھیوریوں کو بدل دیا ہے۔ اور تو اور خود وہ دہریہ سمت

بھی جو آسمان سائنس کے روشن ستارے ہیں۔ اپنی تمام سابقہ تھیوریوں کو چھوڑ کر اس بات کے ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ کل کائنات پر ایک ہی **حکومت** ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ابتداء سے انتہا تک لاتبدیل قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گو ہزاروں ہی قانون دریافت ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب قوانین ایک دوسرے کی معاونت میں ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خود حکیم **ہیکل** نے کائنات کی پہلی سے پہلی شکل کا نام نہ **مادہ** ۔ نہ **ایٹم** ۔ نہ **عنصر** ۔ نہ **برقی ذرات** ۔ نہ **اثیری** ریزے لکھا ہے۔ بلکہ یہ سب کے سب جس سے نکلے ہیں اسنے اس کا نام **لا سبسٹنس** تجویز کیا ہے۔ یعنی وہ کوئی چیز ہے جو **ہمہ قانون** ہے کاش وہ اس کا نام **لا سپرٹ** (روح قانون) رکھ دیتا۔ تو ہمارا اور اس کا کوئی جھگڑا نہ رہتا۔ قانون اگر مقنن کو چاہتا ہے۔ تو ہم ایک اعلیٰ **ہستی** کے قائل ہیں جس سے یہ سب قانون نکلے ہیں۔ وہی اسلامی خدا ہے۔ اب تو ضدیت کے جھگڑے ہیں۔ والا معاملہ تو صاف ہے۔ صرف لفظی تنازع باقی رہ گیا ہے۔

چنانچہ جو مذہب ان حکماء دہر پرست کے نزدیک کائنات پر حکمران ہے۔ اس کا نام وہ **مونازم** رکھتے ہیں۔ جس کے لفظی معنی **مذہب توحید** ہے۔ اب یہ اسلام نہیں تو اور کیا ہے؟ یعنی کائنات کا ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے قوانین پر چل کر اپنے حدِ کمال پر پہنچنا +

جس بات نے ان حکماء کو مون ازم (مذہب توحید) کا قائل کرایا ہے۔ وہ یہ بات ہے کہ ایک ہی قسم کے قوانین جسمانیات سے لے کر روحانیات تک کائنات کی ہر منزلِ ارتقاء پر حاوی ہیں۔ یعنی جسمانی۔ جذباتی۔ ذہنی اخلاقی روحانی قوانین دراصل ایک ہی ہیں۔ چنانچہ مسئلہ زیرِ بحث میں جذبات بہیمیہ اسی قسم کے قوانین کے ماتحت ارتقائے منازل طے کرتے ہوئے روحانیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس طرح اشیائے خوردنی و نوشیدنی آخر کار خون صالح بن کر روح حیات کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جو بشکل نقطہ سیاہ دل میں ہے جسکو زبان عربی میں **حُب** کہتے ہیں بہیمی جذبات کی آخری اعلیٰ وارفع شکل بھی وہ پاک محبت ہے۔ جو روحانیت کی روح ہے۔ عربی زبان میں لفظ محبت کا مادہ لفظِ **حُب** ہے جس طرح لفظ **خَلق** جس کا جسمانیات سے تعلق ہے۔ اور اکات میں **خُلق** ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حَب بھی حُب ہو جاتا ہے جس طرح معدہ اور آنتیں خون صالح اور حبُ القلب (سویدائے دل) کی پہلی جائے ولادت ہے۔ اسی طرح مسلم صوفیوں کے نزدیک بہیمی جذبات کا مقام بھی معدہ اور آنتیں ہی ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو آج حکماء مغرب نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ جس طرح معدہ کی تیار کردہ چیزیں کیلوس اور کیموس بنکر جگر کی حکومت کے ماتحت تمام نقائص سے پاک ہو کر خون بن جاتی ہیں۔ اسی طرح قوت غضبی جس کا مقام جگر ہے جذبات بہیمیہ میں سے بہیمیت کو دور کر کے انہیں اخلاق بنا دیتی ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ لفظ **کبد** جس کا اگر

ایک معنی جگر ہے۔ تو دوسرا معنی غصہ و غضب ہے لیکن خون صالح بننے کا سارا نظام اس روح حیات یعنی آکسیجن پر منحصر ہے جو تنفس اور اُس کے بعد پھیپھڑوں کے ذریعہ ہر ایک کا رکن عضو کو زندگی بخشتی رہتی ہے۔ اس آکسیجن کا نام اسلامی حکماء کی اصطلاح میں **روح** ہے بالمقابل روح عربی زبان میں الہام کو بھی کہتے ہیں یعنی الہام خداوند۔ جذبات ردیہ کو آخری صورت صالح میں لانے کے لئے وہی فعل کرتا ہے۔ جو آکسیجن در روح، خون صالح اور پھر اس سے سویدائے قلب بنانے میں کرتی ہے۔ الغرض نظام ایک ہی ہے۔ دل ہی جسماً اور روحاً مرکز روح حیات ہے۔ قربان جاؤں خاتم النبیین علیہ الف الف سلام پر جس نے اس حقیقت کو دو لفظوں میں کھول دیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں "تمہارے پہلو میں گوشت کا ٹکڑا ہے جسکو دل کہتے ہیں جس کے فاسد ہونے سے سب چیزیں فاسد ہو جاتی ہیں"۔

اس مختصر سی بحث سے میری مراد یہ ہے۔ کہ قوت غضبی یا غصہ۔ اصلاح خُلق کے لئے ویسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جگر اصلاح خَلق (جسم) کے لئے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ قوت غضبی کی بداستعمالی تمام اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے۔ یہی حال نظام جسم کا ہے۔ جگر کی خرابی بھی جسم کو بگاڑ دیتی ہے۔ لہذا مذہب محبت کے قوانین صحیح طور پر مرتب نہیں ہو سکتے جب تک جذبہ غضب کی تعدیل و تہذیب کے قوانین مرتب نہ کئے جائیں۔ وہ مذاہب جو اس جذبہ کی بیخکنی کرتے ہیں۔ وہ مذہب محبت کے خادم نہیں ہو سکتے۔ اس معاملہ میں جہانتک

جناب مسیحؑ اور جناب بدھ کی تعلیمات ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ مذہب محبت کی تدوین میں ہمیں پوری مدد نہیں دیتی ہیں۔ وہ تعلیمیں اس ضروری جذبہ کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اگر نظام ملک کے لئے کسی کوتوال یا مجسٹریٹ کی ازحد ضرورت ہے۔ تو نظام اخلاق کے لئے قوت غضبی ہی ضروری چیز ہے۔ ممکن ہے کہ مسیحؑ اور جناب بدھ کی تعلیمات ہم تک اصلی شکل میں نہ پہنچی ہوں یا وہ وقتی ضرورت کا علاج ہوں۔ اگر اُن میں قوت غضبی کو نفرت ہی سے دیکھا گیا ہے۔ اور اس کے عدم استعمال ہی پر زور دیا گیا ہے۔ تو وہ **مذہب محبت** کے قیام کی حارج ہیں ؞

انسان کے طبعی جذبات کی تسکین اُس کو آٹھوں پہر مختلف اشیاء کے حصول میں لگائے رکھتی ہے جن کے حصول سے اس کو راحت اور عدم حصول سے اُس کو رنج ہوتا ہے۔ جن چیزوں سے اس کو راحت ہو وہ اس کی محبوب ہیں۔ اور جو چیزیں اس کے اسباب راحت کی مانع ہوں۔ اُن سے اسکو نفرت ہوتی ہے۔ یعنی اول الذکر اس کے جذبہ محبت اور آخر الذکر اس کے جذبہ غضب کو بھڑکاتی ہے۔ اگر نو اسباب راحت کے حصول کا اسکو کوئی حق حاصل نہیں۔ تو پھر جس طرح اس کی محبت ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر جائز اسباب آسائش کے حصول میں موانعات پر اس کو غصہ آجائے۔ تو وہ فعل صحیح ہے۔ الغرض مذہب حقہ کا فرض یہ ہے کہ **محبت** اور **غضب** کے صحیح استعمال بتائے۔ اور انہیں مقام اعتدال پر لے آئے ؞

یہ صفحات اجازت نہیں دیتے۔ کہ میں اس موضوع پر قرآن کریم کی کل ہدایات کو بالتفصیل جمع کروں میں قوت غضبی کے متعلق چند موٹے موٹے قوانین لکھ کر ان چند طبعی طریقوں کا ذکر کرونگا جن کے ماتحت **جذبہ شہوت** آخر کار محبت قدسیہ بن جاتا ہے ؞

قوت غضبی خلاف طبع یا نقصان وہ امور سے تحریک میں آتی ہے۔ اس جذبہ کے محرک تین قسم کے لوگ ہوسکتے ہیں۔ **ایک** وہ جو ہم سے کمزور یا ہمارے ماتحت ہوں۔ **دوسرے** وہ جو ہم پر غالب ہوں۔ **تیسرے** وہ جو ملکی یا قانونی یا کسی اور حقیقت سے ہمارے ہمسر ہوں۔ ان تین گروہوں میں گروہ اول کا مقام بہت نازک ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت ہی ادنےٰ سے ادنےٰ بات پر ہمیں بھڑکا دیتی ہے (نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد) اسی مقام پر انسان غصہ میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم نے اُس کے متعلق ذیل کی ہدایت فرمائی ہے:۔ "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین" (مومن) اپنے غضب کو دباتے ہیں (پھر جن لوگوں نے غصہ بھڑکایا تھا اُن) لوگوں کو معاف کردیتے ہیں (پھر اُن سے احسان بھی کرتے ہیں) اللہ تعالےٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ؞

ان مقدس ہدایات کی بہترین تشریح جناب امام حسنؓ کے ایک واقعہ سے ہوجاتی ہے۔ آپ کا ایک خادم گرم شوربے کا پیالہ آپؓ کے لئے لایا۔ اتفاقاً اس کے پاؤں نے

لغزش کھائی۔ اور شوربے کا پیالہ گر پڑا۔ جس سے لباس چھوڑا امام معصومؓ کا جسم بھی جلا۔
غصہ کا بھڑکنا طبعی امر تھا۔ لیکن چہرۂ مبارک پر ابھی آثار غضب پیدا ہی ہوئے تھے۔ کہ
خادم نے "الکاظمین الغیض" پڑھا۔ امام ہمامؑ نے کامل ضبط سے کام لے کر فرمایا۔ کہ
میں نے غصہ چھوڑ دیا۔ جس پر خادم نے آیت شریف کا دوسرا ٹکڑا "والعافین عن الناس"
پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے معاف کر دیا۔ خادم نے "واللہ یحب المحسنین" کہہ
کر آیت شریف کو تمام کر دیا۔ حضرت امام کے اخلاق تو قرآن مجید کے اخلاق تھے۔ آپؓ
نے یہ سن کر نہ صرف اپنی خدمت سے ہی اس کو آزاد کر دیا۔ بلکہ زر خطیر دے کر اس کو
ہمیشہ کے لئے کسی اَور کی دست نگری سے بھی غنی فرما دیا۔

کہتے ہیں غصہ شیطان ہوتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ شیطان بطور ہمزاد انسان کے
ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے۔ کہ یہ شیطان تعدیل و تادیب سے مسلمان ہو جاتا ہے
اب اگر کسی نے غصہ کے وقت اپنے شیطان کو مسلمان بنانا ہو۔ تو اس آیت شریف پر
عمل کرے۔ کہاں غیض و غضب اور کہاں اس کے مورد کے ساتھ مروت و احسان۔
احسان محبت کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جس کے ماتحت ایک شخص غیر حقدار سے مروت کر کے
حقیقی محبت کا اعلیٰ ثبوت دیتا ہے۔

تحریک غضب کا دوسرا مقام کسی ایسے شخص کا مکروہ فعل ہوتا ہے۔ جو ہم سے طاقتور

ہو جس کے مقابل انتقام لینا تو درکنار اظہار غصّہ بھی ہم نہیں کرسکتے۔ اس کے متعلق جناب مسیحؑ کی تو یہ تعلیم ہے۔ کہ" شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیری دہنی گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کرکے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے۔ اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا"
(متی کی انجیل باب ۵ آیت ۴۰ تا ۴۲)

جناب مسیحؑ کی یہ تعلیم وقت کے مناسب حال تھی۔ آپ کی قوم محکوم و ذلیل تھی۔ فریق غالب کے مقابل مغلوب کا اظہار غضب کرنا گویا اپنی موت کو آپ بُلانا ہے۔ ان حالات میں تو یہ مسیحی وعظ مفید ہوسکتا ہے۔ لیکن اس سے آخرکار ایک دن سچی غیرت اور شجاعت بھی مرجاتی ہے۔ یہ ایک وقتی علاج تو ضرور ہے لیکن اس سے بعض اخلاق فاضلہ کا خون ہوجاتا ہے۔ اور اگر ان مواعظ کو زندگی کا دستور العمل ہی بنالیا جائے۔ تو دنیا سے امن اُٹھ جاتا ہے۔ شرارت کی رسی دراز ہوجاتی ہے۔ خود گذشتہ سولہ صدیوں میں عیسائی اس پر عمل نہیں کرسکے۔ لیکن غالب کے فعل ناجائز کے مقابل مغلوب کیا کرے۔ کہ وہ اُس کے شر سے بھی بچ جائے۔ اور اپنے اندر ودیعت شدہ قوائے غیرت و شجاعت کو بھی قائم رکھ سکے؟ ان حالات کے ماتحت بروئے نص قرآنی آنحضرت صلعم نے مسئلہ ہجرت کی تعلیم فرمائی۔ ان مجبوریوں میں انسان کا فرض ہے کہ مقام شرارت کو چھوڑ دے۔ فرعون کے

مقابل جناب موسیٰ کا فعل صحابہؓ کا حبشہ کیطرف چلا جانا۔ پھر خود حضورؐ کی ہجرت اسی قبیل سے ہے۔

تیسرا امر روزانہ زندگی کے متعلق ہے جس میں فعل بد کا ارتکاب کسی ایسے شخص سے ہوتا ہے جسے قانون وغیرہ نے ہمارا ہمسر کر دیا ہے کسی سلطنت کے ماتحت رعایا کا ایک دوسرے کے خلاف بدی کرنا۔ یا ایک قوم کا دوسری قوم کے خلاف کوئی ناجائز فعل کرنا جو موجب جنگ وفساد ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں۔ جن کا علاج مسیحؑ اور بدھ کی تعلیم تو نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم نے اُس کے لئے یہ ہدایت فرمائی ہے "جزاء سیئۃ سیئۃ بمثلہا فمن عفی واصلح فان اللہ غفور الرحیم"۔ بدی کا بدلہ تو بدی ہے (ہاں) جو معاف کر دے (اور اُس سے) اصلاح ہوتی ہو تو اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے مقصد اصلی تو اصلاح ہے۔ اگر شریر کی اصلاح معاف کرنے سے ہو تو معاف کر دیا جائے۔ لیکن اگر معاف کرنے سے شریر شرارت میں بڑھتا ہے۔ یا اس کا فعل دوسروں کو شریر بناتا ہے۔ اور اس سے امن عامہ میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر بدکار کو سزا دینا ہی لازم ہے۔ جناب موسیٰؑ نے دانت کے بدلے دانت فرمایا۔ جناب مسیحؑ نے عفو پر زور دیا۔ یہ دونو تعلیمیں اپنے اپنے مقام پر صحیح تھیں۔ لیکن **مہیمن** وحمید کتاب نے اپنے سامنے **اصلاح** کو رکھا جس کے حصول کے لئے اگر ضرورت ہو تو دانت کے بدلے دانت توڑا جائے۔ اور اگر عفو سے نتیجہ مرتب ہوتا ہو تو عفو کیا جائے۔ ان دو حکیمانہ تجاویز کو بیان فرما کر پھر بھی رحم اور معافی کی طرف

انسان کو متوجہ کرنے کے لئے آیت کا خاتمہ ان اللہ غفور الرحیم پر کیا۔ خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ قوت غضبی عطیہ رحمان ہے۔ اگر یہ بُری ہی چیز تھی۔ تو خالق فطرت نے ہمیں کیوں دی۔ ہاں اس کا صحیح استعمال بہت ہی نازک ہے جس کے لئے بہتر سے بہتر ہدایات قرآن مجید نے فرمائیں۔ ساری کتاب ان مندرجہ بالا اصول محکمات کی تشریح میں ہے جن کی تفصیل کی سردست یہاں گنجائش نہیں۔

غضب کی طرح محبت کی بھی بداستعمالیاں ہیں۔ بے محل پیار غضب سے بدتر نتائج پیدا کرتا ہے۔ ایک بچہ کو پیار میں آکر بدعنوانیوں سے نہ روکنا محبت نہیں کہلائی جاسکتی۔ بلکہ اس کی اصلاح کے لئے اُس کے ساتھ ناملائمت سے پیش آنا ہی اُس سے محبت کرنا ہے۔ گو اُس سے قوت غضبی تحریک میں آجاتی ہے۔ پاک محبت اپنے حقیقی معنوں میں اپنے اظہار کے لئے اُس ایثار و بے نفسی کو چاہتی ہے۔ جو ایک انسان دوسرے کے حقیقی فائدہ کے لئے اپنی مکسوبہ چیزوں یا خداداد طاقتوں کو صرف کرتے ہوئے ظاہر کرے اگر یہ باتیں موجود نہ ہوں۔ تو کسی کا کوئی ایسا فعل جو پیار کے رنگ میں کیا جائے۔ محبت نہ کہلائے گا۔ انسان کی فطرت میں یہ جوہر محبت تو ودیعت شدہ ہے لیکن یہ مذہب حقہ کا کام ہے کہ اس جوہر کو کسی طبعی طریق میں نشو ونما دے کر اُسے اُس مقام تک پہنچا دے۔ کہ انسان دوسروں کے مفاد کے لئے جئے۔ اُس کے کل کے کل مکسوبات و مقبوضات اور اس کی تمام

کی تمام خداداد طاقتیں خلق اللہ کے نفع میں لگ جائیں۔ مذہب الٰہیہ کے سب کے سب اوامر و نواہی کچھ اس قسم کے ہونے چاہئیں۔ کہ جن پر چل کر انسان مخلوق خدا کے لئے شفقت و رحمت ہو جائے۔ اس لئے اسلام کی تعریف آنحضرت صلعم نے تعظیم لا امر اللہ و شفقتہ علی خلق اللہ ہی فرمائی ہے۔ اس امر پر میں پہلے بحث کر آیا ہوں۔

اسلام نے اس شجر محبت کا ذخیرہ مناہل زندگی کو قرار دیا ہے۔ جہاں محبت کا پہلا تخم۔ جس کی شکل شہوت حیوانیہ ہے طبعی رنگ میں ایثار کی خو بو لئے ہوئے بے تکلف نشو و نما پانے لگتا ہے۔ زن و مرد در اصل منزل اول میں جذبات حیوانیہ کے ماتحت جمع ہوتے ہیں زوجیت کے پہلے محرک وہ غیر مرئی ننھے ننھے حیوانات ہیں جنہیں طبی اصطلاح میں سپرما اور اوو ا کہتے ہیں۔ مرد و عورت کی رغبت متقابلہ کے محرک یہی دو قسم کے کیڑے ہوتے ہیں۔ اگر ایک لمبی متاہل زندگی میاں بیوی میں ایسے وقت پاک محبت پیدا کر دیتی ہے جب ایام کہولت انہیں تعلقات زناشوئی سے فارغ کر دیتے ہیں۔ تو وہ انہی غیر مرئی حیوانات کے کرشموں کا بقیہ ہے۔ اب اگر یہ پاک محبت از قبیل روحانیات ہے۔ تو وہ لوگ غور کریں۔ جو روحانیات کو جسمانیات سے الگ سمجھتے ہیں۔

کتخدائی سے پہلے ایک نوعمر کا نصب العین اس کی اپنی ذات کا مفاد ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہی لئے جیتا ہے۔ اپنے ہی واسطے کماتا ہے۔ وہ خود غرضی کا بہت حد تک مجسمہ ہوتا ہے

شادی ہونے پر کچھ تھوڑا ہی عرصہ گذرتا ہے۔ کہ تسکین جذبات شہوانی ہی اُس میں ایثار کا
رنگ پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور اب وہ اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی کا مالک کسی اَور
کو بھی سمجھنے لگتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد جب اُس کے بال بچے ہو جاتے ہیں۔ تو اس کی تمام
زندگی اُنہی کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ وہ صبح سے شام تک اپنے آپ کو مارتا ہے۔ اور
بطیب خاطر اپنی کمائی سے اپنے لئے فقط روٹی کپڑا نکال کر باقی سب کا سب دوسروں
کا مال سمجھتا ہے۔ اب اگر ایثار کے یہی معنی ہیں۔ کہ انسان کے مکسوبات اور اُس کے قوائے
اپنے سے علاوہ کسی اَور کی خدمت میں لگ جائیں۔ اور یہ سب کچھ کسی تکلیف سے نہیں
بلکہ طبعاً و اضطراراً ہو تو یہ رنگ کم و بیش متاہل زندگی ہی میں نظر آتا ہے +

محبت کے علاوہ قوت غضبی کے صحیح استعمال کی مشق بھی کنبے میں ہی ہوتی ہے۔ مَیں
اوپر بیان کر آیا ہوں۔ کہ قوت غضبی اصلاح کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے یعنی جہاں ملائم
طریقے اصلاح نہ کر سکیں۔ وہاں درشت روئی عموماً مفید ثابت ہوتی ہے لیکن موقع
اصلاح کے سوا غصہ کا اَور مواقع پر رُک جانا ایک نہایت ہی مشکل امر ہے۔ بہر حال یہ
کٹھن سے کٹھن منزل بھی اہل و عیال میں نہایت آسانی سے طے ہو جاتی ہے۔ وہی باتیں
جو کسی اور حالت میں یا اگر کسی اور سے سرزد ہوں۔ تو غصہ و غضب کی محرک ہو جاتی ہیں
وُہی امر جب گھر میں اپنے بچے یا بیوی سے سرزد ہو۔ تو غصہ درکنار لبوں پر ہنسی اور مسکراہٹ

آجاتی ہے۔ بہت سی باتیں اُن کی درگذر کی جاتی ہیں غصہ بھڑکتا ہے اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ خون پی کر انسان رہ جاتا ہے۔ اور اگر غصہ کا کسی درشت طریق پر اظہار بھی ہونے لگتا ہے۔ تو اُسی وقت جب بچے کی اصلاح اسی ایک طریق پر آ رہتی ہے۔ اور وہاں بھی اگر زدوکوب کی ضرورت پڑے۔ تو انسان کے ہاتھ بے تحاشا نہیں چلتے۔ مارتے وقت بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ بچے کو کہیں صدمہ نہ پہنچے۔ بی بی کے معاملات میں انسان اَور بھی نرم ہو جاتا ہے۔ الغرض غصہ وغضب اگر رحمت بن سکتا ہے۔ تو اس کا آسان محل متاہل زندگی ہے۔ اسی طرح پاک محبت اگر اصلی معنوں میں ہر وقت ظاہر ہوتی ہے۔ تو اس کے محرک بھی بی بی بچے ہی ہوتے ہیں۔ بیشک غور کر کے دیکھ لو۔ طبعاً اور اضطراراً جذبہ شہوت وجذبہ غضب کی حقیقی اصلاح یا تعدیل وتہذیب اگر کہیں ہو سکتی ہے۔ تو عیال داری میں ہی ہوتی ہے۔ یہاں تو وہ ضعیفہ کنواریاں نظر نہیں آتیں۔ جو یورپ میں ہر جگہ پھرتی نظر آتی ہیں۔ ان حقائق بالا کی تصدیق اگر کسی نے کرنی ہو تو ان کو مغرب میں جا دیکھے۔ بات بات پر بگڑنا۔ چڑچڑاپن۔ زود رنجی اُن کی ایک ادنیٰ شان ہے۔ نہ وہ جوہر محبت اہل وعیال نے اُن کے دل میں چمکایا۔ نہ غصے کی اصلاح کرنے کو اُن کے ہاتھ کوئی بچہ آیا۔ اسی امر کو مدنظر رکھ کر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ النکاح من سنتی۔ فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ نکاح کرنا میری ایک سنت ہے۔ اور جو اس سے نفرت

کرے۔ وہ مجھ سے نہیں۔ قرآن کریم نے کتخدائی کی علت غائی بھی یہی بتلائی۔ وَمِنْ
اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط (سورہ روم آیت ۲۱)

یعنی اس آیت میں خدا تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے جو عورت و مرد کا جوڑا بنایا ہے۔ اس سے کوئی شہوت رانی مراد نہیں۔ تزنا شوئی کے تعلقات جذبات کو ٹھکانے بٹھا کر مودت اور رحمت کی بیج کو جو فطرت انسانی میں وودیعت شدہ ہے۔ نشو ونما کی طرف لے آتے ہیں غور کا مقام ہے کہ قرآن مجید نے کس اعلیٰ حقیقت کو ان مقدس الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ شادی کی غرض کو کس طرح بلند اور ارفع کر دیا ہے۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ وہی قوت غضب اور وہی جذبہ شہوت جس کا نام بہمیت اور سبعیت ہے اس ایک فعل زوجیت سے رحمت و محبت ہو جاتی ہیں۔ کوئی ہے جو ان باتوں سے انکار کرے۔ وہ مذاہب **مذہب محبّت** کی حقیقت کو کیا سمجھیں جن کے بانیوں نے نہ شادی کی نہ متاہل زندگی کی عزت کی۔ آج فضلائے مسیحیت نے کلیسی مذہب کی تمام تعلیمات کو خیر باد کہہ کر مذہب مسیحیت کا نام مذہب محبت رکھا۔ اور اب وہ اس فکر میں ہیں کہ وہ اس مذہب کے قواعد مرتب کریں۔ وہ بدھ مذہب کو بھی مذہب محبت ہی سمجھتے ہیں شائد ان کے نزدیک بعض ایسے اخلاقی احکام کا نام محبت ہے۔ جن میں نرم دلی تو کمال درجہ

کی ہو خواہ وہ عملی رنگ اختیار نہ کر سکے۔ ان دونو مذاہب میں زن و مرد کے تعلقات
کے متعلق کم وبیش تعلیمات تو ہیں۔ لیکن اُن کے بانیوں کی عملی زندگی ہمارے لئے راہِ ہدایت
نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف اسلام نے متاہل زندگی کو ایک لطیف اور باراحت زندگی
بنانے کے لئے اس قدر قوانین دیئے ہیں۔ کہ ان کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔ قوتِ غضبی کے
متعلق میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ کہ اُس کے اظہار کا آسان موقع وہ ہوتا ہے۔ کہ جہاں موردِ غضب
اپنے سے کمزور یا اپنے قبضے میں ہو۔ بیوی بچوں سے بڑھ کر اور کون نہایت آسانی کے ساتھ
موردِ غضب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یورپ میں اس کی کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔ اس کثرت
کی روک تھام کے لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ خیرکم خیرکم لاھلہٖ یعنی تم میں سے
بہترین انسان وہی ہے۔ جو اپنے بال بچوں کے ساتھ نیکی کا سلوک کرے۔ گھر کے باہر تو
ہماری وضعداری یا دوسروں کا خوف یا سوسائٹی کا پاس ہم سے اضطراراً اور مجبوراً اچھے
اخلاق ظاہر کرا دیتا ہے۔ لیکن گھر کا میدان تو ایک وسیع اور کھلا میدان ہے۔ وہاں تو
ہم جو چاہیں کر گذریں۔ لیکن جب اس میدان میں ہی اضطراراً مذکورہ بالا حکمِ نبیؐ کے ماتحت
ہم مروت اور رحمت کا ہی اظہار کرتے ہیں۔ تو لازماً بیرونی دنیا میں بھی ہمارے اخلاق سُلجھ
جاتے ہیں۔

کتخدائی کے تعلقات کا دائرہ اہل وعیال کے بعد اپنے احاطے میں اور رشتے داروں

کو بھی لے آتے ہیں۔ کچھ بی بی کے رشتے دار کچھ اپنے رشتہ دار اُس رحمت و مودت کے بھی مستحق ہو جاتے ہیں جو ہم بچوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ وہی ایثار جو ہم اپنے گھر میں برتتے ہیں وہی دوسرے رشتے داروں کے حق میں بھی ایک حد تک ظاہر ہوتا ہے۔ رشتے داروں کی ذیل میں ہی وہ افراد بھی آجاتے ہیں جن سے رشتہ اتحاد و دوستی قائم ہوتا ہے۔ یہ دائرہ محبت یہیں ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ وسعت پاکر دوستوں کے بعد ہم قوم و ہم مذہب اور پھر اُن کے بعد ہم ملک کو بھی اپنے اندر لے لیتا ہے۔ انسانی ہمدردی اس دائرے کو اور بھی وسیع کرکے انسانی محبت و رحمت کا مورد کل بنی نوع کو بنا لیتی ہے۔ اس کے بعد ایک ہی منزل باقی رہ جاتی ہے کہ جب انسان ربانی اخلاق سے متصف ہو جاتا ہے۔ تو اس کی محبت و رحمت مخلوق الہیہ کے ہر نوع و صنف تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ارفع ہے کہ جہاں انسان رب العالمین کا مظہر اتم ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جو محبت۔ رحمت۔ ہمدردی یا ایک لفظ میں شفقت وہ اپنے دائرہ اعمال میں ظاہر کرتا ہے۔ وہی شفقت وہ مخلوق الہیہ کی ہر نوع سے علیٰ قدر مراتب ظاہر کرے جس طرح ہر عالم میں ارتقا کی سات ہی منزلیں ہیں۔ وہی سات منازل یہاں بھی موجود ہیں جن میں سے گذر کر بہیمیت و سبعیت یعنی شہوت و غضب وہ روحانیات بن جاتی ہیں۔ جس کی ہمسائگی میں الوہیت کھڑی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے قاب قوسین کہتے ہیں جہاں انسانی قوس کا وتر الٰہی قوس کے وتر سے جا ملتا ہے۔ ان سات منازل کو میں پھر گن جاتا ہوں

حکیمانہ اصطلاح میں طبعی جذبات کا احساس اور اُن کے تقاضوں کے تہیہ کے فکر کا من کل الوجوہ مفہوم ایک لفظ **ادراک** سے ادا ہوتا ہے۔ یعنی ہمارا اپنی راحت و تکلیف کو محسوس کرنا پھر جلب منفعت اور دفع مضرت کا علاج سوچنا سب لفظ ادراک میں آجاتا ہے اس ادراک کی پہلی شکل وہی بہیمیت و سبعیت اور اس کے تقاضے ہیں۔ جسے فلسفی اصطلاح میں ادراک حیوانی کہا گیا ہے۔ یہ ادراک بطور مواد کے ہے۔ جسے عربی زبان میں **بلغہ** کہتے ہیں۔ اسی میں سب استعدادیں اعلےٰ سے اعلےٰ اور ادنےٰ سے ادنےٰ موجود ہیں۔ اسی نے ترقی کر کے اخلاق فاضلہ اور روحانیت بننا ہے۔ لیکن اس نے بلوغت یعنی ارتقاء کی سات منزلیں طے کر کے اس کمال حقیقی کو پہنچنا ہے جسے قرآن **صبغۃ اللہ** کہتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسان خدا تعالےٰ کا مظہر اتم ہو جاتا ہے۔ اور خدا اُس کے ہاتھ پاؤں اور روح ہو جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور اس کی ارتقائی سات منزلیں یہ ہیں:۔

اوّل۔ ادراک ذاتی۔

دوم۔ ادراک منزلی یا اہلی۔

سوم۔ ادراک صدقائی

چہارم ادراک قومی و ملی

پنجم۔ ادراک ملکی

ششم۔ ادراک نوعی

ہفتم۔ ادراک کونی

یہاں ان ادراکات مختلفہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اور اُس کے دفعیہ کی فکر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اہل وعیال رشتہ داروں۔ دوستوں۔ ہم قوموں۔ ہم ملکوں۔ ہر نوع انسان وغیرہ کی ضروریات کو اپنی ضرورت کی طرح محسوس کرے۔

انسان دنیا میں ادراک حیوانی لے کر آتا ہے۔ لیکن جب اس ادراک سے آگے چلتا ہے۔ تو اس کے مدارج رفعت بھی اس کے ساتھ بڑھتے جاتے ہیں۔ وہ جس درجے کے ادراک کو لے کر اس جہان سے رخصت ہوتا ہے۔ وہی درجہ رفعت اُسے اگلے جہان میں ملتا ہے۔ معراج والی حدیث میں ہمارے نبی کریمؐ نے جناب آدمؑ کو تو پہلے آسمان پر دیکھا۔ اور باقی نبیوں کو باقی کے آسمانوں پر۔ ان میں سے جناب مسیحؑ تو چوتھے آسمان پر تھے۔ اور ابو الانبیأ جناب ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر۔ مذکورہ بالا نظریہ کی روشنی میں یہ عرفانی حقیقت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ جناب آدمؑ کے اردگرد اُن کا اپنا ہی اہل وعیال تھا۔ اُن کا ادراک پہلی منزل پر تھا۔ انجیل میں جو جناب مسیحؑ کا

نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہاں اُن کا ادراک قومی ادراک سے آگے نظر نہیں آتا۔ وہ اپنی ہمدردی اور ہدایت کو اسرائیلی قوم تک محدود رکھتے ہیں۔ وہ اپنا مشن اسرائیلی بھیڑوں تک محدود کرتے ہیں۔ وہ سوروں کے آگے موتی پھینکنا اور کُتوں کے آگے بچّوں کی روٹی ڈالنا نہیں چاہتے۔ کتوں اور سوروں سے اُن کی مراد غیر مختون قومیں ہیں۔ نہ معلوم یہ غیر مختون قومیں کیوں خوشی سے عیسویت کے جوئے تلے آگئی ہیں۔ وہ اگر آہ وواویلا کرتے ہیں تو بنی اسرائیل کے لئے۔ نہ کسی اور قوم یا نسل انسانی کے لئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اُن کا ادراک چوتھے درجے پر تھا۔ جناب موسےٰ اگر ان سے اگلے آسمان پر نظر آتے ہیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ اسرائیلیوں کے علاوہ قبطیوں کو بھی اپنے دائرہ ہدایت میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ کا نقشہ جو قرآن شریف اور بائیبل ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ وہاں اُن کے اخلاق۔ اُن کی ہمدردی۔ اُن کا احساس انسانیت اپنی قوم سے آگے چل کر ہر بنی نوع کے لئے یکساں نظر آتا ہے۔ قوم لوط کو عذاب سے بچانے کے لئے وہ خدا سے ملتجی ہیں۔ گو وہ قوم اُن سے تعلق نہیں رکھتی۔ اُن کا دسترخوان ہر قوم وملت کے انسانوں کے لئے کھلا ہے جس میں وہ کوئی قومی وملی ولسانی ولونی تمیز نہیں کرتے لہذا یہ امر ضروری تھا کہ ان وسیع اخلاق کا انسان عالم بالا میں ساتویں آسمان پر ہی نظر آئے۔ لیکن خاتم النبیین کے ادراک کا نقشہ قرآن کریم نے جن الفاظ میں کھینچا ہے

وہ اس سے بھی ارفع ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین
یعنی اُن کا مرنا جینا اُن کی زندگی کے سب کام اُس ہستی کی خدمت اور اُسکی منشا کو
پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جو تمام مخلوق کا رب ہے۔ اس مقام عظمیٰ کے ادراک
والا اپنے معراج میں اگر ساتوں آسمانوں سے گذر کر عرش عظیم تک نہ پہنچے۔ تو پھر اور
کون پہنچے +

قرآن کریم نے ایک ایک طبقہ مخلوق الہیہ کو لے کر اُسے انسان کی محبت اور
شفقت کا مورد بنایا ہے۔ پھر مختلف راہیں اور طریق بتائے۔ جن سے رحمت اور محبت
کا بیج فطرت انسانی میں سے نکل کر ایک ایسا باثمر درخت بن جائے۔ کہ جس کے سایہ
تلے مخلوق الٰہی آجائے۔ پھر ان تمام وجوہ کو جو اس رحمت و محبت عامہ کی راہ میں روک
ہو جائیں۔ سامنے رکھ کر مختلف تعلیمات سے اُن سب کا قلع قمع کیا۔ وہ باتیں جن سے غیریت
و اجنبیت لاپروائی کینہ عداوت پیدا ہوں۔ انہیں گناہ اور بدی قرار دیا۔ الغرض
کتاب حمید نے ایک ایسا نظام ابلغ تجویز کیا۔ کہ جس سے بہتر مذہب محبت کی تدوین
کہیں اور نظر نہیں آتی۔ میں ان صفحات میں ان تمام باتوں کی تفصیل کی گنجائش
نہیں دیکھتا۔ میں اس کتاب کے خاتمہ پہ قرآن کریم سے چند آیات کو نقل کر دیتا ہوں۔
جن میں ایک مسلم مخلوق الہیہ کے مختلف طبقات سے محبت و شفقت کرنے کے لئے

مامور کیا گیا ہے خدا تعالےٰ نے توفیق دی۔ تو پھر اس مضمون پر بالاستیعاب لکھوں گا +

آنحضرت صلعم کے وقت سے لیکر آج تک ہر نماز جمعہ کے خطبہ میں منبر سے ایک آیت سُنائی جاتی ہے جس میں ایک مسلم کو انہی اوراکات مذکورہ بالا کے نشو ونما میں لانے کی تحریک کی جاتی ہے۔ ان اللہ یامر کم بالعدل والاحسان وایتاء ذوالقربٰی وینہٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

اس آیت کے دو ٹکڑے ہیں پہلے حصّے میں چند محاسن کا ذکر ہے جن کی طرف ترغیب دلائی جاتی ہے۔ اور دوسرے میں چند بدیوں کا ذکر ہے جس سے انسان کو روکا گیا ہے۔ اور آخیر میں کہا گیا ہے کہ مسلمانو ان باتوں کو نہ بھولنا۔ بلکہ آٹھوں پہر یاد رکھنا۔ میں پہلے حصے کو لیتا ہوں۔ اس میں تین باتوں کی طرف ہمیں متوجہ کیا گیا ہے عدل۔ احسان اور وہ شفقت جو ایک شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتا ہے۔ عدل سے مراد اپنے حقوق لے لینا۔ اور دوسروں کے حقوق کی عزت کرنا۔ اس کے بعد پھر حسنات کا باب شروع ہوتا ہے۔ احسان عموماً ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جن کا کوئی حق ہم پر نہ ہو۔ بلکہ کسی تعلق کے بغیر ہم دوسروں سے نیکی کریں۔ احسان کنندہ علی العموم احسان یافتہ سے کسی نہ کسی امر کی توقع رکھتا ہے۔ خواہ وہ از قسم تشکر و امتنان کے رنگ میں کیوں نہ ہو۔ لیکن انسان کی فطرت میں اس قسم کی نیکی کرنے کے بھی جوہر

ہیں۔ کہ وہ بلا کسی عوضہ یا شکریہ یا استحسان کی امید کے دوسروں سے نیکی کرتا ہے۔ بلکہ اس کا احسان یافتہ اگر اُس کے خلاف مرضی بھی کوئی کام کرے۔ یا اُسے تکلیف بھی دے۔ لیکن اُس کی طرف اس کی نیکی دریا کے پانی کی طرح بہتی چلی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی بلند اور مشکل مقام ہے لیکن اس مقام پر پہنچے ہوئے قریباً کل کے کل انسان اپنے گھروں میں نظر آتے ہیں۔ اپنے بچّوں سے جو ہم حُسن سلوک کرتے ہیں۔ وہ کسی جزا یا شکر کو نہیں چاہتا۔ ان کی بدعنوانیاں بھی ہمیں نیکی کرنے سے باز نہیں رکھتیں قرآن کریم نے اس آیت میں ایتاءِ ذی القربیٰ فرما کر اشارہ کیا۔ کہ تم میں جو محبت اور شفقت کا رنگ اقارب کے معاملے میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ امر تم کو ہر ایک مخلوق الہیہ کے معاملہ میں ظاہر کرنا ہے ؛

ادراک حیوانی اور ادراک انسانی میں جو امر بطور ما بہ الامتیاز ہے۔ وہ ادراک ذاتی ہے۔ حیوان ہر ایک چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ جس وقت اس کے قوائے شہوانی محرک ہوتے ہیں۔ اُس وقت جو چیز بھی اس کے سامنے آجائے۔ اس پر منہ مارنے سے وہ نہیں ٹلتا۔ ایک گائے بھوک کے وقت کسی غیر کی کھیتی میں منہ ڈال دیتی ہے۔ اُسے نہ یہ سمجھ ہے اور نہ پروا۔ کہ اس کھیت کا مالک اس کا مالک نہیں۔ ہزاروں انسان ہر جگہ ایسے ہی نظر آتے ہیں۔ جن میں یہ حیوانی خاصہ ہوتا ہے۔ ہاں انسان میں یہ استعداد

ہے کہ وہ اپنی اور غیر کی چیز میں تمیز کر سکے۔ یہی تمیز جب صحیح طور پر کام کرنے لگتی ہے۔ تو دنیا میں امن اور نصفت شعاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس تمیز صحیحہ کا نام **ادراک ذاتی** ہے۔

ادراک حیوانی کو ادراک ذاتی میں منتقل کرنے کے لئے قرآن کریم نے آیت زیر بحث میں سب سے اول عدل کا حکم دیا جس سے مراد یہ ہے۔ کہ جو تمہاری چیز ہے تم لے لو اور جو دوسروں کی چیز ہے وہ دوسروں کو دے دو۔ اس عدل کی قوت کو مضبوط کرنے کے لئے مختلف مقامات میں امانت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا۔ ان اللہ یامرکم ان تعدو الامانات الیٰ اھلھا۔ جو چیز بطور امانت تمہارے پاس ہے۔ وہ اُن کے مالکوں کو دے دو۔ جس وقت انسان قوت عدل اور اُس کے استعمال میں مستحکم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کسی ایسی چیز پر نگاہ تک نہیں ڈالتا جو اُس کی نہ ہو تو پھر قرآن کریم اُسے احسان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یعنی جو چیزیں اُس کی اپنی ہیں۔ وہ دوسروں کو دے۔ احسان کے پہلے عدل کا ذکر کرکے اس قسم کے احسانوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ جو چوروں خائنوں دوسروں کا مال مارنے والوں سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ دنیا میں لکھوکھا انسان اپنی فیاضی میں تو حاتم ثانی ہوتے ہیں لیکن اُن کی سخاوت جس مال سے ہوتی ہے۔ وہ صدہا غیروں کی حق تلفیوں کا نتیجہ ہوتا

ہے۔صحیح احسان کاظہور اپنی ہی مکسوبات سے ہوتا ہے۔پھر اس احسان میں جو عنصر ضروری ہے جس سے انسان اخلاق الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔وہ یہ ہے کہ انسان غیروں کے ساتھ اُسی رنگ میں احسان کرے جیسے اپنے بال بچوں عیال واقارب سے کرتا ہے۔انسان میں یہ قوت تو ہے۔جیسے میں نے پہلے بیان کیا لیکن اس قوت کو بارور کرنے کے لئے ایک اور موقعہ پر فرمایا۔کہ انسانوں کو جو کچھ ہم نے عطا کیا۔اُس کے اعضاء جوارح اس کی قوتیں اس کی استعدادیں یہ سب کے سب ہماری طرف سے اُس کے پاس بطور امانت ہے۔اور انسان اس عطیہ کو بطور امانت سمجھنے کا اہل بھی ہے۔جیسے کہ فرمایا۔اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ

ترجمہ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔تو انہوں نے انکار کیا۔کہ اس کا بوجھ اُٹھائیں۔اور اس سے ڈرے۔اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور نہ جاننے والا ہے (الاحزاب ۷۲)

یہ صداقت حقہ ہے۔انسان کے سوا کل مخلوقات کو دیکھ لو۔ان میں ضرورت

وقتی کے دفعیہ سے زیادہ اسباب دفعیہ ضرورت سے تمسک کی استعداد نہیں ہوتی۔ جانوروں میں ہی دیکھ لو۔ ہر ایک وقتی ضرورت کا ہی علاج کرتا ہے۔ آئندہ کے لئے کسی چیز کو پس انداز کرنے کی اُن میں استعداد ہی نہیں ہوتی۔ اس قاعدۂ عامہ میں اگر استثنا ہے۔ تو صرف چند جانوروں میں۔ جو سال کے کسی حصہ میں اپنے مامن یا جگہ سے نہیں نکل سکتے۔ مثلاً چیونٹی یا زنبور یا چند ایک اور جانور۔ سردیوں میں یہ اپنی جگہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اس لئے سرماکی خوراک کے لئے وہ کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتے ہیں لیکن اُنہیں یہ ادراک پس اندوختگی بھی محدود ہی ہوتا ہے۔ ان کا ادراک آئندہ موسم سے آگے تک نہیں جاتا۔ بالمقابل انسان کو دیکھ لو اسے اگر مساعد حالات میسّر آجائیں۔ تو وہ ساری عمر کے واسطے نہ صرف اپنے ہی لئے بلکہ اوروں کے لئے بھی مایحتاج آسانی سے جمع کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے انتھک قوائے اپنی ذاتی ضرورت سے زیادہ چیزیں پیدا کر سکتے ہیں۔ آخرش اس ربانی اقتصاد کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سب قوٰے اور استعدادیں اُسکی اپنی ذات کیلئے نہیں ہیں۔ بلکہ اوروں کے لئے دی گئی ہیں۔ یہ بطور امانت ہیں۔ اور ان امانات کی اہل خدا کی کل مخلوق ہے +

الغرض ایک طرف تو انسان میں ادراک ذاتی پیدا کر کے اُسے عدل کی طرف

متوجہ کیا۔ دوسری طرف اس میں احسان اور ایتاء ذی القربےٰ والی نیکی کرنے کے جوہر رکھ کر اُسے اطلاع دی۔ کہ تجھے جو کچھ دیا گیا ہے۔ وہ بطور امانت دیا گیا ہے۔ پھر انسان میں فطرتاً رضامندی خداوند کے حصول کی خواہش ہوتی ہے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھے۔ اسلئے خوشنودی خداوندی اسکا نصب العین ہوتا ہے۔ قرآن نے خوشنودی خداوندی کے حصول کا ذریعہ بھی حسنات خیرات اور احسان ہی بتلایا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کا غصہ حسنات وخیرات سے دور ہو جاتا ہے۔ الصدقت تطفیٰ غضب ربی +

انسان میں ایک اور بھی تڑپ ہے وہ چاہتا ہے کہ اسمیں خدائی رنگ پیدا ہو جائے۔ اسی خواہش نے بعض ربانی رنگ میں رنگین انسانوں کو عام نگاہ میں خدا کر دکھایا عیسیٰ۔ عذرا۔ کرشن۔ رامچندر۔ زرتشت اسی لئے اللہ اور ابن اللہ کہلائے۔ اسلام کی رو سے بھی نفس ناطقہ کی تکمیل کا مقام یہی ہے۔ یعنی جب انسان سے اخلاق خداوندی سرزد ہوں۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ تخلقوا باخلاق اللہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اب جس خدا کا نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے۔ اس کی یوں تو ننانوے صفات ہیں۔ لیکن ان سب صفات کی اُم چار صفات ہیں۔ رب۔ رحمٰن رحیم۔ مالک یوم الدین۔ اب جو خدائی رنگ اپنے میں پیدا کرنا چاہے۔ وہ انسانی احاطہ میں ان صفات کا متصف اپنے آپ کو بنائے۔ مالک یوم الدین۔ وہ خدا ہے

جو کسی کا حق نہیں رکھتا۔ جو جس کا مستحق ہو وہ اُس کو دے دیتا ہے۔ اس صفت کے ماتحت انسان میں لازماً صفت عدل پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے چل کر رحیمیت کی شان مخلوق کو ایک کے عوض میں دس سو یا اس سے بھی زیادہ بخشتی ہے۔ یہ رنگ احسان کا ہے۔ اس سے آگے چل کر صفت رحمانیت بلا عوضہ بلا تمیز قوم و ملت ہر ایک کے لئے در فیض کھول دیتی ہے۔ انسانی دائرہ میں یہ رنگ ایتاءِ ذی القربےٰ سے شروع ہوتا ہے لیکن چونکہ خدا کے حقیقی پرستار خدا کی راہوں پر چلتے ہیں۔ اس لئے حقیقی رحمٰن کا بندہ وہی ہوتا ہے جس کی ایتاءِ ذی القربےٰ والی نیکی دائرہ اہل و عیال سے نکل کر ہر مخلوق الٰہی تک پہنچے۔ شان ربوبیت کے تو کیا کہنے۔ وہ سب کا پالنہار۔ سب کا رزاق۔ سب کا قیوم۔ اور سب کی استعدادوں کو حد بلوغت تک پہنچانیوالا ہے۔ اب جس کا جی چاہے۔ خدائی رنگ میں رنگین ہو جائے۔ لیکن اگر قرآنی خدا کے صفات سے متصف ہونا چاہے۔ تو پھر اُس سے بڑھ کر **مذہب محبّت** کا کامل عامل اور کون ہو سکتا ہے؟

جس بات نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔ وہ قرآن کا وہ نظام ابلغ ہے۔ کہ جس کے ماتحت کل کا کل قرآن انہی مختلف آیات سے اس طرح مربوط ہے۔ کہ اس کی ایک آیت بھی دوسرے کے نقیض نہیں پڑتی۔ اگر ایک جگہ اصول محکمات دیئے ہیں۔

تو دوسری جگہ ان کی تشریح کر کے وہ ہدایات فرمادی ہیں۔ کہ جن پر چل کر وہ اصول صداقت مثبتہ ہو جائیں۔ اس معاملہ میں اس امر زیر بحث کو دیکھ لو۔ اگر مذہب محبت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے یہ حکم دیا۔ کہ تم خدا کے صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ تو پھر ایک طرف خدا کے صفات وہ دیئے۔ جو مذہب محبت کی جان ہیں۔ اور جن کے رنگ میں رنگین ہو کر **ادراک حیوانی** اور ادراک ذاتی بن کر مختلف منازل طے کرتا ہوا **ادراک کونی** ہو جاتا ہے۔ اگر مالک یوم الدین کا مظہر وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں ادراک ذاتی صحیح شکل میں پیدا ہو جائے۔ تو رحیم اور رب العلمین کا مظہر بھی وہی انسان ہو سکتا ہے جس میں یکے بعد دیگرے کل ادراک پیدا ہو کر آخر کار ادراک کونی بصورت اتم پیدا ہو جائے۔ یہ باتیں کس طرح حاصل ہوں۔ اس کے لئے ہر جمعہ کی نماز میں جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا۔ آیت ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی پڑھوائی۔ جس کا دوسرا ٹکڑا ان بدیوں کو روکتا ہے۔ جو ان ادراکات کے پیدا ہونے میں مانع ہے۔ آنحضرت صلعم نے اگر بچوں کے نام رکھنے کے متعلق یہ فرمایا۔ کہ خدا کے نام پر نام رکھو۔ مثلاً عبد الرب۔ عبد الرحمان۔ عبد الرحیم۔ عبد المالک تو اس کی بھی یہی حقیقت تھی۔ عبد المالک وہی ہے جس میں ادراک ذاتی کامل طور پر نشوونما پا گیا ہو۔ عبد الرحیم۔ عبد الرحمٰن اور عبد الرب وہی کہلا سکتا ہے جس میں ادراک

ذاتی کے بعد اوراک منزلی۔ اوراک اصدقائی۔ اوراک قومی۔ اوراک ملکی۔ اوراک نوعی اور اوراک کونی پیدا ہو جائیں +

اب میں ذیل میں قرآن مجید کی چند آیات لکھ دیتا ہوں جن میں ان اوراکات کے پیدا کرنے کی ہدایات فرمائی گئیں۔ میں ان میں اس ترتیب کا عدم فرصت کے باعث لحاظ نہیں رکھتا جس سے ان اوراکات مختلفہ کا الگ الگ تعلق ہے +

شروع میں میں چند آیتیں ایسی بھی دے دیتا ہوں۔ جو انسان کو عفو کی طرف مائل کرتی ہیں۔ کیونکہ دوسروں کی خطائیں بعض وقت مانع محبت ہو جاتی ہیں بعض وقت انسان کی متکبرانہ طبیعت اُسے اُن لوگوں کی طرف مائل ہونے نہیں دیتی۔ جن کی طرف توجہ کرنا ہی اُس کے اخلاق کی تہذیب کا موجب ہو جاتا ہے +

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (لقمان ۱۸-۱۹)

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران ۱۳۴)

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ (حم ۳۴)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ۝ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (الاعراف ۱۹۹-۲۰۰)

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ (المعارج ۱۹ تا ۲۵)

فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (البلاد ۱۳ تا ۱۸)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء ۳۶)

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ - وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ

الشَّيٰطِيْنِ ۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (بنی اسرائیل ۲۳-۲۴-۲۶-۲۹-۳۰)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ
فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان ۱۴)

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (البقرہ - ۲۱۵)

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ
لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الفجر ۱۶-۱۷-۱۸)

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِىْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ
نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ (المدثر ۔ ۴۱ تا ۴۴)

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (الدہر ۸-۹)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ - ۲۷۱)

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ

دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (الممتحنہ ۸)

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۷۷)

ان آیات کا کُھلا کُھلا ترجمہ میں یہاں دیدیتا ہوں :-

حقارت یا نفرت سے دوسروں سے منہ نہ پھیرا کرو۔ نہ متکبرانہ طریق پر سر اُٹھائے زمین پر چلا کرو۔ اللہ تعالےٰ فخر کرنے والوں اور خود پسندوں سے محبت نہیں کرتا۔ چلنے میں صحیح راستہ پر قدم رکھو۔ آہستہ بولا کرو۔ اور آواز اونچی نہ کرو (یہ بھی ایک تکبر و نخوت کی ایک نشانی ہے) متقی لوگ وہی ہیں۔ جو تکلیف و راحت میں خیرات کیا کرتے ہیں۔ غصہ کو دبا لیتے ہیں۔ اور لوگوں کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ محسنین کو ہی پسند کرتا ہے۔ نیکی تو بدی کے برابر نہیں ہوتی (اگر کوئی تم سے بدی کرے یا تکلیف دے) تو بدی کا عوضہ کسی بہتر طریق پر کیا کرو۔ بدی کے عوض نیکی کر چھوڑا کرو

دیکھ لینا۔ اس طریق سے وہ بھی جو تمہارا دشمن ہو گہرا دوست بن جائے گا۔ عفو سے کام
لیا کرو۔ اور نیکی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو۔ اگر کسی جاہل سے معاملہ پڑے۔ تو اُن سے
اعراض ہی کر لیا کرو۔ اگر کوئی شیطان (یش) کوئی الزام بھی لگائے۔ اور اُس سے تمہیں
تکلیف ہو (تو بہتر یہی ہے) کہ خدا کی طرف ہی رجوع کیا کرو۔ وہ سب کچھ جانتا۔ اور
سب کچھ سنتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں شتاب کاری ہے مصیبت آئے تو گھبرا
جاتا ہے۔ بالمقابل جب اس کے حالات اچھے ہو جائیں۔ تو پھر ممسک ہو جاتا ہے۔
(اس کا علاج یہی ہے) کہ نماز پڑھو۔ اور آٹھ پہر خدا کی یاد میں لگے رہو۔ اور اپنے مال و
دولت میں سے ایک حصہ الگ کر دو۔ جو فقراء کے کام آوے۔ اور ایسی مخلوق کے جو
(ذرائع روزی سے) محروم ہو (محروم کی مد میں کُتا۔ بلی وغیرہ سب جانور بھی آجاتے ہیں)
(تمہارے سامنے بڑے بڑے مشکل کام ہیں) لیکن سب سے بڑی مہم کا حل کرنا اسی
میں ہے کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ قیدیوں کو قرضداروں کو نجات دلائی جاوے۔
(یہ لوگ بھی غلاموں کی ذیل میں آجاتے ہیں) بھوکوں کو کھانا کھلایا جاوے۔ ایسا ہی رشتہ
کے یتیموں کو اور ایسے غربا کو بھی جو مٹی میں مل گئے ہوں یہی اچھے راہ پر چلنے والے لوگ
ہیں۔ اور وہ شخص بھی (ہدایت یافتہ ہے) جو (خود) مومن ہو۔ (ان باتوں پر عمل کرتا ہو)
اور دوسروں کو بھی صبر و شفقت کا سبق دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ہی معبود سمجھو۔ اور کسی کو اُس کے

ساتھ شریک نہ کرو (اور یاد رکھو کہ خدا کے بعد دوسرا درجہ والدین کا ہے (ہاں جو باتیں والدین خدا کے کسی حکم کے خلاف کہیں وہ تو نہ کرو۔ لیکن اُن سے نہایت نرمی سے سلوک کرو۔ والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اور اُن کے بعد رشتہ داروں سے۔ یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایوں سے۔ ہمسایوں میں نہ صرف وہی ہمسائے شامل ہیں۔ جو تمہارے رشتہ میں ہوں۔ بلکہ ایسے ہمسایہ بھی جو اجنبی اور غیر ہوں (خواہ وہ کسی قوم و ملت کے ہوں) ایسا ہی جو تمہارا رفیق سفر ہو۔ یا کوئی راہ چلتا ہو۔ اس کے ساتھ بھی احسان کرنا چاہیئے خدا کا یہی حکم ہے۔ کہ اُسی کے حکموں کو مانو۔ اور والدین سے محبت کیا کرو (خصوصاً) جب اُن میں سے کوئی ضعیفی کی عمر تک پہنچ جاوے۔ ان سے سختی سے پیش آنا تو درکنار اُن کے آگے اُف تک نہ کیا کرو۔ جب اُن سے بولو۔ نرمی سے بولو۔ رشتہ داروں سے مسکینوں سے راہ چلتوں سے نیکی کرو۔ لیکن فضول خرچ مت ہو۔ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ (بالمقابل) خیرات کرنے میں ہاتھ بالکل ہی نہ روک لو۔ اور نہ بالکل ہاتھ ایسا کھلا کر لو۔ کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہے (اور اُلٹے) لوگ تم پر ملامت کریں (یہ خیال نہ کرنا) کہ خیرات سے کوئی غریب ہو جاتا ہے۔ اللہ جس پر چاہے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ہم نے (خدا) انسان کو والدین کے متعلق بہت تاکید کی ہے (اول تو) اس کی ماں ضعف اور کمزوری کے ساتھ اُسے (حمل میں) اُٹھائے پھرتی ہے

پھر دو سال اس کی رضاعت میں ختم ہو جاتے ہیں۔ تم ہمارے (خُدا کے) شکر گذار بنو اور اپنے والدین کے شکر گذار بنو۔ آخر کار تم نے ہماری طرف ہی آنا ہے (اگر دولت مند اپنی دولت کا مصرف نہیں جانتے) تو انہیں کہہ دو۔ کہ تم اپنی دولت اپنے والدین اپنے اعزا۔ یتیم۔ محتاج۔ مسافروں پر خرچ کیا کرو (اور یہ تمہاری خیرات ضائع نہیں جاتی) جو نیکی بھی کرو گے۔ خدا اُسے یقینی جانتا ہے۔ جب کسی انسان کو خدا تعالےٰ ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ اور اس پر تنگ دستی وارد ہو جاتی ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے خدا نے مجھے ذلیل کر دیا (نہیں ہم نے نہیں ذلیل کیا اسکی وجہ تو یہ) کہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے تھے۔ اور غربا کی پرورش کے لئے ایک دوسرے کو ہدایت نہیں کرتے تھے۔ (اپنے ہی مال میں مست ہو۔ اس کا ہی یہ نتیجہ ہے) (مجرم جہنم میں آئینگے اور پوچھے جائینگے کہ انہیں جہنم میں کون لایا۔ وہ کہیں گے۔ کہ ہم نہ خدا کو یاد کرتے تھے نہ غرباء کی پرورش کرتے تھے۔ (نیک لوگ دکھاوے سے یا ریاکاری سے یا دُنیا کو خوش کرنے کے لئے خیرات نہیں کیا کرتے وہ تو) محض محبت خدا میں غرباء کو۔ یتامیٰ کو اور قیدیوں کو (جو کسی قسم کی قید میں ہوں) ان سب کو کھانا دیتے ہیں (اور اپنے احسان یافتہ کو کہتے ہیں) کہ ہم تو محض خدا کے لئے تمہیں کھانا دیتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی عوض نہیں رکھتے۔ نہ کوئی بدلہ تم سے چاہتے ہیں (نیکی اور احسان کا یہ رنگ وہ ہے کہ جس سے انسان میں اور اک فناتی

اور یہ اور اک منزلی و اصلاقائی کے بعد دوسرے اور اک آہستہ آہستہ پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ اوراکات اُسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب انسان اپنے احسان یا فنون کی طرف کسی عوضہ یا شکر گذاری کے لئے نہیں دیکھتا - ان اوراکات کی استعداد میں اور بھی قوتِ نشو ونما پیدا ہو جاتی ہے جب خیرات انسان پبلک کے علم کے بغیر کرتا ہے - کیونکہ جب ریاکاری یا خیال عوضہ و تشکر خیرات کے وقت اُس کے سر سے نکل جاتا ہے - تو پھر اُس کی خیرات ہر طبقہ تک پہنچ جاتی ہے - البتہ خیرات کو دکھا کر کرنا بھی خالی از فائدہ نہیں ہوتا - اس سے دوسروں کو بھی تحریک ہو جاتی ہے - اس لئے فرمایا کہ) اگر تم خیرات کھلے طور سے دو - وہ بھی بہتر ہے - لیکن اگر چھپا کر دو - اور غربا کو دو تو یہ بہت بہتر ہے اس سے تمہاری غلط کاریاں تم سے دور ہو جاتی ہیں - اور خدا تو سب کو جانتا ہے - دراصل ریا سے ہی انسان میں تفاخر اور اس کے بعد غرور اور پھر تکبر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے - اور یہ کل گناہوں کی جڑ ہے - اس کا علاج یہی ہے - کہ خیرات پوشیدہ کیجائے غیر مسلموں سے (جن سے جنگ ہو اُن کے سوا سب سے) نیکی اور مروت سے ہی سلوک کرنا (چنانچہ فرمایا کہ) خدا تعالےٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور نصفت شعاری سے نہیں روکتا - جو نہ تم سے جنگ کرتے ہیں - اور نہ جنہوں نے تمہیں گھر سے نکالا - اللہ تعالےٰ نصفت شعاری کو پسند کرتا ہے - اگر کوئی بت پرست یا مشرک بھی تمہاری

پناہ میں آجاوے۔ اُسے ضرور پناہ دو۔ خدا کی باتیں بھی سُناؤ۔ اور اُسے امن کی جگہ تک
پہنچادو۔ یہ لوگ صاحب علم نہیں نیکی اور راستبازی اس چیز کا نام نہیں۔ کہ مشرق
یا مغرب کی طرف منہ کرلو نیکی اسی میں ہے۔ کہ خدا۔ یوم آخر۔ ملائکہ۔ خدا کی کتب۔
اور اس کے نبیوں پر ایمان لاؤ۔ اور محض خدا کی محبت میں اپنے مالوں کو اقربا پر۔
یتامیٰ پر۔ مسکینوں پر۔ راہ گیروں پر۔ سائلوں پر اور جو کسی قسم کی مصیبت میں ہوں
اُنکے چھڑوانے پر خرچ کرو۔ نمازیں پڑھو اور خدا کو یاد کرو۔ زکوٰۃ دو۔ وعدے پورے کرو مصیبت
اور تکلیف کیوقت صبر دکھلاؤ۔ دنیا کے بعض مذاہب رسمیات بعض معتقدات اور بعض عملیات پر زور
دیتے ہیں یہ تینوں باتیں اپنی اپنی جگہ فائدہ سے خالی نہیں۔ قرآن نے یہاں ان تینوں امور کو بطریق
مناسب جمع کردیا۔ اس آیت نے تو حقیقت مذہب کو کس خوبصورتی سے واضح کردیا۔ مذہب کسی
رسم و رواج کا نام نہیں۔ مذہب تو ہمدردی انسانی کا نام ہے۔ اور ان باتوں کے کرنے
کا نام ہے۔ کہ جس سے انسان کا جان و مال حفاظت میں آکر انسان کو کامل متمدن
اور با اخلاق بنادے۔ چونکہ معتقدات ہی ہمارے اعمال کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ اس لئے
اس آیت میں ضروری اعتقادات کا بھی ذکر کردیا گیا۔

ان آیات پر عمل کرنا گویا **ادراکات** مذکورہ بالا کی بہترین آبیاری کرنا ہے۔
مخلوق الٰہی کا کوئی طبقہ بھی مجھے ایسا نظر نہیں آتا۔ جسے انسانی شفقت کا مورد بنانے

کے لئے ان آیات میں ہدایات نہ ہوں +

فضلائے مسیحیت نے مذہب محبت کی فہرست میں جہاں بدھ مذہب کو داخل کیا وہاں اس فہرست میں اسلام کو داخل کرنے سے تامل کیا۔ حالانکہ اسلام ہی مذہب محبت مکمل طور پر دنیا میں لایا۔ ان لوگوں کے دلوں میں شائد اُن جنگوں کا خیال ہوگا۔ جن کی اجازت اسلام دیتا ہے۔ لیکن موجودہ جنگ نے تو اُس ہذیان کا اب منہ بند کردیا جو اسلام کے خلاف عیسائی مشنری پراپیگنڈا اس امر میں کیا کرتا تھا۔ یہ لوگ جب ازراہِ تعصب حق جوئی اور حق بینی سے بہت دور چلے گئے۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ جنگ عظیم پیدا کرکے ان پادریوں کے ہاتھ سے سب ان کے مفروضہ معتقدات خاک میں ملا دئے۔ جون ۱۹۱۷ء کو لندن کا منظر میری نگاہوں نے نہایت دلچسپی سے دیکھا۔ جب لندن کا بشپ پادریوں کی ایک جماعت کو گلے میں صلیب لٹکائے ہوئے لندن کے بازاروں سے پھرتا ہوا **ہائیڈ پارک** میں لے گیا۔ وہاں اُس نے تقریر بھی کی۔ اس تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ اس جنگ میں شریک ہونا اور اپنے ملک کو حملہ سے بچانا ہی مذہب ہے۔ پھر اُس نے نہایت ہی کمزور طریق پر مسیحؑ کے **خطبہ کوہی** کی اُن آیات کی کچھ توضیح بھی کی۔ جو شمولیت جنگ سے روکتی تھی۔ الغرض اس جنگ نے جس میں بہت سے پادری بطور سپاہی شریک ہوئے اور لڑے

ثابت کر دکھایا۔ کہ بعض جنگ نسل انسانی کے امن کے لئے ضروری ہیں۔ اور سچی محبت انسانی اسی میں ہے۔ کہ ظالموں کے ہاتھ سے بذریعہ جنگ خلق خدا کو بچایا جائے امن عامہ کے لئے جنگ ایسا ہی ضروری ہے جیسے اور امن و آشتی کے رستے

اسلامی جنگوں کے متعلق میں یہاں کوئی لمبی چوڑی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ نہایت مختصر الفاظ میں قرآن کریم کی تعلیم اس امر کے متعلق یہاں دے دیتا ہوں۔ جو غلط فہمیوں کے دور کرنے کے لئے کافی ہے +

قرآن کریم نے صرف تین ہی موقعوں کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے۔ دو امور تو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تیسرے کا تعلق حفاظت خود اختیاری سے ہے مذہب کی خاطر جنگ کرنا نہ تو اشاعت مذہب کے لئے ہی جائز ہے۔ نہ کسی کو زبردستی مذہب میں داخل کرنے کے لئے۔ بلکہ حفاظت مذہب کے لئے **اولاً** جب کسی مذہب کی عبادتگاہ خطرے میں ہو۔ اور اس مذہب کے مخالف یا کوئی اور اُسے مسمار کرنا چاہیں تو ایک مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ اُس عبادتگاہ کے بچانے کے لئے خواہ وہ عبادتگاہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ جنگ کرے +

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط (الحج ۴۰)

ترجمہ - اگر خدا تعالے نے بعض لوگوں (کی شرارت) کا دفعیہ دوسروں کے ذریعے نہ کرتا تو خانقاہیں - گرجے - یہودیوں کی عباد تگاہیں - اور مسجدیں گرائی جاتیں - جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے +

کس فراخ دلی سے ہر مذہب کی عبادت گاہ کی حفاظت قرآن نے مسلمانوں کے ذمہ ڈال دی ہے - رواداری کی بھی کوئی حد ہے - کہ ان سب عبادتگاہوں میں مسجد کا نام سب سے اخیر لیا - اور سب سے پہلے دنیا جہان کی ایسی جگہوں کا نام لیا ہے - جہاں اُن مذاہب کے معلم رہیں - اور اپنے اپنے طریق پر خدا کی عبادت کریں - آج کوئی ہندوستان کا نقشہ ہی دیکھ لے - یہاں ایک ہزار برس تک تو مسلمانوں کی مضبوط سلطنت رہے - اور کل کا کل ملک قدیمی مندروں ، شیوالوں اور ٹھاکر دواروں سے آج بھی معمور نظر آئے - ان عبادت گاہوں میں بُت ہی ہزاروں برس سے پُوجے جاتے تھے - یہ عمارتیں بھی قدیمی ہیں - مسلمان بت شکن بھی مشہور ہیں لیکن اس قرآن کی آیت کو وہ کیا کرتے - وہ تو ان عباد تگاہوں کو مسمار ہونے سے بچانے کی ہدایت دیتی ہیں اس لئے یہ سب مندر محفوظ رہے - بالمقابل سپین - مالٹا اور جنوبی فرانس کو دیکھ لو - مسلمانوں کی مساجد - زیارتگاہیں مقابر - کتب خانے اور مذہبی مدرسے کیا ہوئے ؟ مسیحی ظلم و تعدی نے انہیں خاک میں

بنادیا۔ اب بتلاؤ کہ مذہب محبت عملاً کون ثابت ہوا۔ اسلام یا عیسائیت؟

دوسرا موقعہ جس پر ایک مسلمان نے تلوار اٹھائی ہے۔ وہ اس لئے کہ ہر ایک انسان کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ انسان اور خدا میں معاملہ مذہب قائم رہے کوئی تیسرا شخص مذہبی امور میں انسان اور اس کے خدا کے درمیان حائل نہ ہو۔ جس کا جو جی چاہے۔ مذہبی عقائد رکھے لیکن جب اس قسم کے مذہبی متعصب دنیا میں پیدا ہو جائیں جو اپنے ظلم اور تعدی سے نہ ہندو کو ہندو رہنے دیں۔ اور نہ عیسائی کو عیسائی۔ اور نہ مسلمان کو مسلمان۔ تو اس وقت مسلمان کا فرض ہے۔ کہ ایسے ظالموں کے خلاف جنگ کرے۔ اور زمین پر وہ حالت امن پیدا کردے کہ ہر ایک انسان مذہبی معاملات میں اپنی رائے کا مالک ہو۔ اول تو قرآن نے یہ ہدایت کی۔ کہ لا اکراہ فی الدین یعنی مذہبی معاملات میں کوئی جبر و اکراہ نہ کرو۔ جو کسی کی خوشی ہو۔ وہ مذہب رکھے۔ دین تو کسی نے خدا کا قبول کرنا ہے۔ اور اس میں اسے آزادی کامل چاہیے لیکن جب کوئی شخص اپنا مذہب دوسرے سے بہ سختی قبول کراتا ہے۔ خواہ وہ مذہب حقہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو وہ خدا کا مذہب نہیں۔ بلکہ اپنا مذہب منواتا ہے۔ ایسے شخص کے ہر فتنہ کو روکنے کے لئے فرمایا۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْ وَانَ

إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ترجمہ۔ ایسے لوگوں سے لڑو۔ جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے

اور دین خدا کے لئے رہ جائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں۔ تو پھر اُن سے جنگ نہ

چاہیئے۔ الا اگر وہ ظلم پر اڑے رہیں ۔ (البقرہ۔ ۱۹۳)

تیسرا موقعہ جنگ کا حفاظت خود اختیاری ہے۔ اس میں ذیل کے احکام ہیں

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ إِنَّ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَأَخْرِجُوْهُمْ

مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَإِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ

كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ ۱۹۰–۱۹۲)

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝

ۨالَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ (الحج ۳۹–۴۰)

ترجمہ۔ خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو۔ جو تم سے لڑے۔ لیکن

حدود سے نہ بڑھو۔ اللہ تعالیٰ حدود سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر

وہ جنگ چھوڑ دیں تم بھی جنگ چھوڑ دو (سب سے پہلی آیت جس لئے جنگ کی

اجازت دی۔ وہ یہ ہے، ان کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن سے جنگ

کی گئی۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ تعالے اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکو گھروں سے نکالا گیا۔ اس کی کوئی وجہ حقہ نہ تھی۔ ان کا قصور تھا کہ وہ اللہ کو پروردگار سمجھتے تھے۔

ان آیات کی عملی تفسیر حضرت نبی کریم صلعم کے غزوات سے ہوتی ہے۔ مجھے نہ ان جنگوں کی یہاں تشریح کی ضرورت ہے۔ نہ اُن اسباب کے بتلانے کی حاجت ہے جن سے یہ جنگ پیدا ہوئے۔ دو لفظ میں یہ معاملہ طے ہو جاتا ہے۔ کہ آیا یہ جنگ اس حکم بالا کے ماتحت تھے۔ یا مذہب کے پھیلانے کی غرض سے؟ ان غزوات میں سے نمایاں صرف تین جنگ ہیں جن کے بعد عرب میں صورت حرب پیدا ہوگئی۔ باقی کل کے کل جنگ اسی قسم کے تھے۔ جو صورت حرب سے تعلق رکھا کرتے ہیں۔ پہلے تین جنگ **بدر**۔ **اُحد**۔ اور **جنگ احزاب** کے نام سے مشہور ہیں۔ ان تینوں جنگوں کے مقام کی تعیین کر لو۔ اور خود فیصلہ کر لو۔ کہ آنحضرت صلعم اپنی جان بچانے کے لئے گھر سے نکلے۔ یا کسی اور غرض سے؟ آنحضرتؐ نے حفاظت جان کے لئے ایسے وقت میں جب کفار کیطرف سے اذیت کی کوئی حد نہ رہی۔ مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی آپؐ تو مدینہ چلے آئے۔ لیکن دشمن آپؐ کو اور آپؐ کے مشن کو خاک میں ملانے کے سوا کب باز رہ سکتا تھا۔ دشمن مکہ میں ہے۔ اور آپؐ مدینہ میں۔ مکہ مدینہ میں ایک سو پچاس ۱۵۰

میل کا فاصلہ ہے پہلے جنگ کا مقام **بدر** ہے۔ جو مکہ معظمہ سے ایک سو بیس میل [۱۲۰]
اور مدینہ سے تیس میل پر ہے۔ دوسرے جنگ کا مقام **اُحد** ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے ایک
سو اڑتیس میل [۱۳۸] اور مدینہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ تیسرے جنگ **احزاب**
میں عرب کی کل قومیں مدینہ پر چڑھ آئیں۔ اور آنحضرت صلعم محصور ہو گئے۔ یہ تین
جنگ ہیں۔ اب خود فیصلہ کر لو۔ کہ لڑنے کو کون آیا؟ اور جان بچانے کے لئے گھر سے
کون نکلا؟ اس جنگ کے بعد ایک حربی کیفیت ملک میں پیدا ہو گئی۔ اور کبھی اس
طرف سے اور کبھی اُس طرف سے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان جنگوں کا خاتمہ
فتح مکہ نے کیا۔ آنحضرت صلعم گھر سے حج کے لئے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ نکلے
اور مکہ سے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ دنیا کی تاریخ میں فتح مکہ ہی ایک ایسا واقعہ
ہے۔ کہ جس میں ایک قطرہ خون بھی نہ گرایا گیا۔ دشمن مغلوب ہو گئے۔ یہ دشمن وہی تھے
جنہوں نے آنحضرت صلعم اور اُن کے رفقاء کو ہر طرح کی تکلیف دی۔ اور اسلام کے
مٹانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ لیکن جب وہ سامنے آئے۔ تو سب کو معاف کر دیا۔
مسیحؑ نے یہ تو کہہ دیا۔ کہ "اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔" لیکن تاریخ عالم میں اگر اپنے دشمن
سے کسی نے محبت کی۔ تو اس کا **عملی نمونہ فتح مکہ** میں ہی پاؤ گے۔ کسی کا صلیب
پر کھڑے ہو کر اپنے ظالموں کو معاف کر دینا کوئی عمدہ مثال دشمنوں سے محبت کی نہیں۔

دشمن اور ظالم کو معاف کرنا اُس وقت ہو سکتا ہے۔ جب یہ تین صورتیں پیدا ہوں۔ اوّل۔ ایک شخص پر ظلم ہو۔ دوئم۔ مظلوم دشمن پر غالب آئے۔ اور انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہو۔ سوئم۔ انتقام کی بجائے معاف کر دے۔ جب تک یہ باتیں موجود نہ ہوں۔ مظلوم اور مقہور حالت میں کسی کو معاف کر دینا محض دل کو خوش کرنا ہے۔ البتہ نیک دلی کا اظہار ضرور ہے۔ بات تو تب ہے کہ ع

"گر بہ طاقت برسی مست نگر دی مردی"

یہی وہ مذہب **محبّت** ہے۔ جو اسلام لایا۔ مذہب محبت چند نرم اور آشتی کے فقروں سے نہیں بنا کرتا۔ مذہب محبت میں مخلوق الہٰی کے نفع کو سامنے رکھنا ہے۔ اور اس نفع کی حفاظت میں اگر ایسے لوگوں کی تادیب۔ اصلاح اور اُن کے ضرر کو روکنے کے لئے کچھ سختی بھی برتنی پڑے۔ جو مخلوق الہٰی کے مفاد کے دشمن ہوں تو وہ سختی نہیں۔ وہ بھی محبت ہے۔

قرآن کریم نے اُن مواقع کا بھی لحاظ کر لیا ہے۔ جو انسانی شفقت و رحمت کو کسی دوسرے کی طرف نہیں جانے دیتے۔ آج مشرق مغرب کے جھگڑے نے کس قدر مصیبت ڈال رکھی ہے۔ بعض مشرقی قومیں بالخصوص مغربی نگاہ میں حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ ادنیٰ قوموں کو تو چھوڑ دو۔ کل کی کل مشرقی قومیں اہل مغرب کی نگاہ میں

درجۂ انسانیت میں بھی اُن کے ہمسر نہیں۔ ایک کُتا جن مراعات کا مغرب میں مستحق سمجھا گیا ہے۔ اُس کے عشر عشیر سے بھی بعض انسان محروم رکھے جاتے ہیں۔ جاپان کی موجودہ تباہی پر ریورنڈ بی۔ ٹی ولڈن ہارٹ گرجے میں دُعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ زلازل جاپان ایسے وقت واقع ہوئے۔ جب اکثر یورپین لوگ وہاں سے نکل چکے تھے۔ جس مذہب نے حس احساس وادراک کے معلمان مذہب پیدا کئے ہیں۔ اس کو مذہب محبت کہنا عجب بوالعجبی ہے۔ اسی مشرق و مغرب کے سوال کو سامنے رکھ کر قرآن مجید نے جس خدا کی عبادت کرائی۔ اس کا نام نہ صرف رب العالمین ہی فرمایا۔ بلکہ اس کو رب المشرق والمغرب بھی کہا۔ اسلام میں عبادت کی بہترین شکل مخلوق کی ہمدردی ہے؂

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝۔ ترجمہ۔ کیا تو نے اُس شخص کی حالت پر غور کیا۔ جو دین کو جُھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس نمازیوں پر افسوس ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں اور

خیرات کو روکتے ہیں ۔ (الماعون)

اس سورت میں گویا دین کے معانی ہی یتیموں سے نیک سلوک اور غرباء کی پرورش ہے ۔ ایسا ہی اس شخص کی عبادت کی بھی کوئی عزت خدا کی نگاہ میں ظاہر نہیں کی گئی جو خیرات وحسنات نہیں کرتا ۔ اور اگر کرتا ہے ۔ تو دکھانے کے لئے کرتا ہے ۔ الغرض رب قرآن کریم کا وہ پرستار ہی نہیں جو اپنی ہمدردی میں مشرق و مغرب کا لحاظ کرتا ہے ۔

دُنیا میں مختلف مذاہب کا تعلق بھی اہل مذہب کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے سے روک دیتا ہے ۔ بعض لوگ دوسرے مذہب والے پر ضلالت و گمراہی کا ہی فتوے نہیں دیتے ۔ بلکہ بعض وقت اس کو اپنی ہمدردی کا بھی مستحق نہیں سمجھتے ۔ کسی شخص کا دوسرے مذہب سے تعلق رکھنا اُن کی مراعات سے اس کو خارج کر دیتا ہے ۔ اس نقص کو سامنے رکھ کر قرآن نے ہر مذہب کو در اصل سرچشمہ الہی سے نکلا ہوا ہی قرار دیا ۔ اور اُنکے رہنماؤں کو خدا کے نبی اور مرسل قرار دیا ہے ۔ اور ان کی تعلیمات کو اپنے اصلی رنگ میں واجب الاتباع ٹھہرایا ۔ کاش دنیا اس اصول اسلام پر عمل کرتی ۔ تو اہل مذاہب کا باہمی فساد نصف سے زیادہ ختم ہو جاتا ۔ کیا یہ ممکن ہے ۔ کہ میں کسی مذہب کے بزرگ کی دل سے عزت کروں ۔ اور میرا یہ عمل اس کے پیرو کے دل میں میرے لئے عزت اور محبت پیدا نہ کر دے ۔ مذہبی اور قومی تخالف علی العموم انسان کو

عدل کی راہوں سے بہت دُور پھینکدیتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے
اس بات کا بھی ازالہ کر دیا ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔ لا یجرمنکم شنان قوم
ان لا تعدلوا اعدلوا ھوا قرب للتقوی یعنی قومی تخالف تمہیں ایسا
نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ تمہیں عدل ہی کرنا ہے۔ پرہیزگاری کے
بہت ہی قریب ہے۔ اگر دُنیا اس ایک حکم کی پابندی کر لے تو مذہب محبّت
کی وہ پختہ بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ جس سے آئندہ کی تعمیر آسان سے آسان
ہو جاتی ہے۔ میں اُوپر دکھا چکا ہوں کہ ارتقائے اِدراک میں پہلی منزل
اِدراک ذاتی ہے۔ یعنی انسان اپنے حقُوق اَوروں سے لیلے۔ اور
دوسروں کے حقوق اُن کو دیدے۔ گویا اِدراک ذاتی کی تکمیل کے لئے
عدل ازبس ضروری ہے۔ کُل دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ لو کتنے ہیں
جن میں یہ ادراک ذاتی طور سے نشو و نُما پا چکا ہے۔ ہزاروں چھوڑ
لاکھوں میں ایک انسان بھی اس خُوبی کا نظر نہیں آتا۔ یہ اہلِ مغرب
جو عیسویت کی روایات اور کلیسیا کے معتقدات سے بیزار ہو کر مذہب محبت
کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔ وہ سب سے پہلے اپنے بھائی بندوں کو
خلق **عدل** کی تعلیم دیں۔ کیا رنگ۔ مذہب اور قوم کی تمیز اہلِ مغرب کو

دیوانہ نہیں بنائے رکھتی۔ عدل کی طرف تو تب مُتوجّہ ہوں۔ جب کسی اور کو اپنے برابر سمجھیں۔ دوسرے تو ان کی نگاہ میں انسان ہی نہیں۔ پھر عدل کیسا۔ یہ مذہب محبّت کے مُتلاشی بزرگ اپنے مصالح کے مُقیّد ہو کر علے الاعلان اسلام قبُول کریں یا نہ کریں لیکن مذہب محبت کے اصُول حقّہ کی اگر ان کو ضرورت ہو تو انہیں قرآن حمید کے ہی آگے سر جُھکانا پڑیگا +

وما علینا الا البلاغ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مُبلّغ اسلام امام مسجد ووکنگ (انگلستان)

رازِ حیات - یا انجیلِ عمل

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ نقصان - ترقی - تنزل انسان کے اپنے اعمال کے نتائج ہیں حقیقت تقدیر یورپ کی موجودہ ترقی قوت عمل کا نتیجہ ہے - مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے مسلم سلطنتوں کا مٹ جانا قرآنی تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہے - یورپ کی جنگ عظیم کی بنا کمرشیلزم تھی نہ کہ حقوق انسانی کی حفاظت حقیقتِ عبادت و دُعا - انسان اپنی کوششوں سے خدا کا مورد فضل بنتا ہے موجودہ بیداری پر بحث - عدم تعاون کا وہی پہلو اختیار کرنا چاہئے جس کی اجازت قرآن دے - اگر ہماری غلط کاریاں ہمارے اختیار اور رضامندی سے نہیں ہوئیں - تو پھر خدا کا میزان عدل کچھ معنی نہیں رکھتا - خدا انسان کو قوتِ ارادی و تمیز عطا کر کے ایک دستور العمل دیتا ہے اور انسان اپنے اچھے یا بُرے نتائج خود مرتب کرتا ہے - کوشش کے بغیر انسان کو کچھ نہیں مل سکتا مسلمانوں کے پاس دولت یا مال و اسباب نہیں - تو نہ سہی - اگر ان میں جزو قوت عمل موجود ہے - تو کل دنیا ان کا وطن ہے حجم ۲۴۸ صفحات تقطیع ۲۰×۳۰ (۱۶ صفحات) قیمت ۵عہ

مجلد عہ؍ +

توحید فی الاسلام

فاضل مصنف نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس کتاب میں ضروریات زمانہ کے مطابق مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی پر روشنی ڈالی ہے - اس میں نہایت موثر طریق سے بیان کیا گیا ہے کہ روح توحید ہی تہذیب و تمدن کی جان ہے - اسی سے اخلاق فاضلہ کی آبیاری ہوتی ہے - یہی علوم جدیدہ کی محرک حکمت و فضیلت کی مولد اور جمہوریت کی جان ہے - توحید سے ہی حقوق انسان کی حفاظت ہوتی ہے دنیوی دولت و ثروت حکومت شوکت الغرض سب کچھ توحید کی خیر و برکت سے ہے -

قیمت بلا جلد ایک روپیہ - مجلد صرف ایک روپیہ پانچ آنے ۵عہ

مروارید ثلاثہ

براہین نیّرہ حصّہ اوّل:- اسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور صولوں پر نہایت منطقی بحث کی ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے۔ مجلد ایک روپیہ دو آنے ... ... ۱؎ ۲؍

اُمّ الالسنہ (زندہ و کامل زبان) اپنی نوع کی پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے اسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آباؤ اجداد عربی الاصل تھے قیمت صرف بارہ آنے مجلد ... ... ۱؎ ۲؍

اُسوۂ حسنہ (زندہ و کامل نبی) اسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اگر کوئی نبی کامل ہو سکتا ہے۔ تو وہ آپ کی ذات ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔ مجلد چودہ آنے ۱۴

نوٹ:- مروارید ثلاثہ اکٹھے اور علیحدہ علیحدہ بھی مل سکتی ہے +

سلک مروارید:- یہ ان دس زبردست معرکتہ الآرا لیکچروں کا اردو مجموعہ ہے جو حضرت خواجہ صاحب نے سنہ ۱۹۱۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۲ء تک انگریزی زبان میں مختلف مقامات پر دیگر مذاہب پر حقانیت اسلام ثابت کرنے کیلئے مختلف موضوع کے ماتحت "اسلام" پر دیئے + یہ دس چوٹی کے لیکچر در اصل بہت سی علمی۔ ادبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ اور مذہبی معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے مذہبی لٹریچر کا اگر اسے نچوڑ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس بے بہا موتیوں کی لڑی میں اسلام کے قریباً تمام اہم مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ارکان اسلام کا فلسفہ نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے تمام ادیان باطلہ کی تردید کیلئے اسمیں کافی مصالحہ موجود ہے عیسائیت کی زہر کیلئے تو یہ نسخہ تریاق کا حکم رکھتا ہے بلا جلد ۱؎ مجلد ۱؎

درخواستیں بنام مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور آنی چاہئیں